ہونا معلوم تو پھر انکار کی کیا وجہ۔ ضرور ماننا پڑے گا چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے، معلوم ہوا کہ صاحب سلطنت کے پہچاننے کیلئے تو عقل سے کام لینے کی اجازت ہے اس کے بعد عقل سے کام لینے کی اجازت نہیں پھر کیا وجہ کہ آپ دین کے معاملہ میں اخیر تک عقل سے کام لینا چاہتے ہیں، یہ سخت غلطی ہے جس سے بجز ذلت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جب خدا کا خدا ہونا مسلم۔ رسول کا رسول ہونا مسلم، کلام اللہ کا کلام اللہ ہونا معلوم، پھر ہر حکم میں الجھنے کا آپ کو کیا حق ہے، اور ہر شخص آپ کو بیوقوف بنائے گا اور تمام عقلاء کی نظروں میں آپ ذلیل ہوں گے سچ یہ ہے ؎

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت ∴ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

کہیں عقل کو چھوڑنا بھی چاہئے

غرض عقل سے اس وقت تک کام لو جب تک وہ کام دے سکے جہاں اس کا کام نہیں وہاں اس کو چھوڑ دو اور حکم کا اتباع کرو تو عقل کی بھی ایک حد ہوئی اور کیوں نہ ہو وہ بھی تو ایک قوت ہے جیسے آنکھ کی ایک قوت ہے اور اس کی ایک حد ہے اس سے آگے دوربین لگانے کی ضرورت ہے ایسے ہی شریعت کے معاملہ میں اصول تک تو عقل کام دیتی ہے اور فروع میں یہ تنہا بیکار ہے بلکہ دوربین وحی سے کام لینا ضروری ہے ایسے ہی کان کی ایک قوت ہے جس کیلئے ایک حد ہے کہ اس سے آگے ٹیلیفون سے مدد لینے کی ضرورت ہے، پیروں کی ایک قوت ہے جس سے آگے سواری سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔

تو جب ہر قوت محدود ہے تو عقل کیسے محدود نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی اس کے آگے وحی سے کام لو ورنہ یاد رکھو کہ عمر بھر رستہ نہ ملے گا کیونکہ سمعیات میں عقل کا کام نہیں۔ وہاں تو اتباعِ رسول ﷺ کی ضرورت ہے ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ∴ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

صاحبو! دنیا میں بھی تو آپ بہت جگہ عقل کو چھوڑ کر کسی نہ کسی کا اتباع کرتے ہیں۔ دیکھئے جب آپ بیمار ہوتے ہیں تو عقل سے اتنا کام تو لیتے ہیں کہ اطباء موجودین میں سے کون زیادہ حاذق و تجربہ کار ہے اور جب ایک طبیب کا حاذق ہونا معلوم ہوگیا تو پھر آپ اس کے پاس جاتے ہیں اور وہ نبض دیکھ کر نسخہ تجویز کرتا ہے پھر آپ اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ اس نسخہ میں فلاں دوا کیوں لکھی اور فلاں کیوں نہیں لکھی اور اس دوا کا وزن چار ماشہ کیوں لکھا چھ ماشہ کیوں نہ لکھا۔ ہم نے

کسی کو طبیب سے ان باتوں میں الجھتا ہوا نہیں دیکھا۔ اور اگر کوئی اس سے الجھنے لگے تو عقلاء اس کو بیوقوف بناتے ہیں اور طبیب بھی صاف کہدیتا ہے کہ اگر تم میرے پاس مجھ کو طبیب سمجھ کر آئے ہو تو جو نسخہ میں تجویز کروں ان میں تم کو چون و چرا کا کوئی حق نہیں اور اگر چون و چرا کرتے ہو تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم مجھ کو طبیب نہیں سمجھتے پھر میرے پاس کیوں آئے تھے اور اس کے اس جواب کو تمام عقلاء صحیح کہتے ہیں۔ پھر حیرت ہے کہ رسول کو رسول تسلیم کرنے اور کلام اللہ کو کلام اللہ مان لینے کے بعد عقل کو ان کے تابع نہ کیا جائے اور بات بات میں الجھا جاوے کہ یہ تو خلافِ عقل ہے ہم اسے کیونکر مان لیں۔

رسول ماننے کا ماحصل

صاحبو! اگر تم نے رسول کو رسول مان لیا ہے تو ہر بات کو بلا چون و چرا مان لینا پڑے گا اور یہ کہنے کا حق نہ ہوگا کہ ہماری عقل میں یہ بات نہیں آئی، ورنہ اسکے یہ معنیٰ ہیں کہ تم نے ابتک رسول کو رسول ہی نہیں سمجھا اور کلام اللہ کو کلام اللہ ہی نہیں مانا۔ افسوس دنیا کے کاموں میں تو عقل کی ایک حد ہو اور طبیب کو طبیب مان لینے کے بعد اس کی تجویز میں عقل کو دخل نہ دیا جاوے اور امور آخرت میں اسکی کوئی بھی حد نہ ہو۔

عقل کو چھوڑنا پڑتا ہے

صاحبو! جب دنیا کے کام بدون اس کے نہیں چل سکتے کہ عقل کو ایک حد پر چھوڑ دیا جائے اور بلا چون و چرا دوسرے کا اتباع کیا جائے تو آخرت کا کام بدون اس کے کیونکر چلے گا، کیونکہ دنیا کی چیزیں تو دیکھی ہوئی بھی ہیں، ان میں کسی قدر عقل چل بھی سکتی ہے پھر بھی انکو چھوڑ کر کاملین و ماہرین کی تقلید کیجاتی ہے اور آخرت سے تو ہم سب اندھے ہیں، وہاں بدون تقلید وحی کے کیسے کام چلے گا۔ اور اگر اسمیں عقل سے کام لیا گیا تو وہی مثال ہوگی جیسے ایک اندھے نے کہا تھا کہ یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ شانِ ورود اس کا یہ ہے کہ ایک لڑکا اپنے اندھے حافظ کیلئے گھر سے کھیر کی دعوت کرنے آیا۔ پوچھا کہ کھیر کیسی ہوتی ہے کہا سفید ہوتی ہے۔ حافظ جی نے سیاہ و سفید میں کیوں فرق کیا تھا ان کے نزدیک تو نہ کوئی چیز سفید تھی نہ سیاہ کیونکہ آنکھیں ہی نہ تھیں تو آپ پوچھتے ہیں سفید کیسا ہوتا ہے۔ اس نے کہا جیسے بگلا۔ حافظ جی نے پوچھا کہ بگلا کیسا ہوتا ہے۔ لڑکے نے ہاتھ کو (ح) کی طرح موڑ کر کہا کہ ایسا ہوتا ہے حافظ جی نے جو اپنا ہاتھ پھیر کر اس شکل سے تصور کیا تو کہنے لگے بھائی یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ میرے گلے سے کیونکر اترے گی۔

تو دیکھئے جو چیز آنکھ سے نہ دیکھی ہو اس میں عقل سے کام لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ معمولی سی کھیر کا کیا سے کیا بن گیا جس میں چبانے اور نگلنے کی بھی مشقت نہ تھی اب وہ گلے میں پھنسنے لگی۔

محض عقل کافی نہیں

تو واقعی اندھے کو کوئی کیونکر سمجھائے کہ سفید رنگ کیسا ہوتا ہے اگر حافظ جی ساری عمر بھی اسی سبق میں ہیں تب بھی نہیں سمجھ سکتے بس اس کا طریقہ تو یہ ہے کہ کسی خیر خواہ سوانکھے کی تقلید کر لی جائے۔

اسی طرح اگر تم کسی ولایتی کو جس نے کبھی آم نہ کھایا ہو آم کا مزہ سمجھانا چاہو تو کیا وہ سمجھ جائیگا ہرگز نہیں۔ تم کہو گے کہ آم میٹھا ہوتا ہے وہ کہیگا کہ ہم تو روز گڑ کھاتے ہیں بس آم ایسا ہی ہوتا ہوگا۔ صاحب! اس کو سمجھانے کا طریقہ یہ ہے کہ آم لاکر اسے کھلا دو۔ اور اگر یہ نہیں تو پھر اس کو تقلیداً مان لینا چاہیے اور اپنی عقل سے اس کی نظیریں نہ نکالنا چاہئیں۔ اسی طرح امور آخرت کو اگر پوری طرح سمجھنے کا شوق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ موت کے منتظر رہو۔ مرنے کے بعد صراط اور وزن اعمال وغیرہ کی سب حقیقت سامنے آجائے گی اور اگر دنیا ہی میں سمجھنا چاہتے ہو تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ قرآن اور رسول نے جو کہدیا ہے اس کی تقلید کرو اور ان کی نظیریں دریافت کرنے کے درپے نہ ہو۔ مثالوں سے تم آخرت کی حقیقت ایسی ہی سمجھو گے جیسے حافظ نے کھیر کو ٹیڑھا بتلایا تھا۔

بس خوب سمجھ لو کہ عقل کی ایک حد ہے جس سے بڑھ جانا مضر ہے اطباء نے بھی تو اس کو مضر لکھا ہے اور امراض میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ افراطِ عقل کا نتیجہ اوہام و شکوک میں ابتلا ہے جس سے قلب و دماغ دونوں ضعیف ہو جاتے ہیں۔ فارابی کی حکایت ہے کہ ایک شخص حلوہ بیچتا پھرتا تھا۔ اس سے پوچھا، کیف تبیع الحلوۃ، تو حلوہ کس طرح بیچتا ہے، اس نے جواب دیا کذا بدانق کہ ایک دانگ میں اتنا دیتا ہوں، تو آپ کہتے ہیں اسئلک من الکیفیۃ و تجیبنی عن الکمیۃ میں تو کیفیت سے سوال کرتا ہوں اور تو کمیت سے جواب دیتا ہے۔ آپ حلوائی سے الجھ گئے۔ اس کو عقل کا ہیضہ کہتے ہیں ہر وقت اسی کے چکر میں رہے۔

افراطِ عقل کا نتیجہ

چنانچہ افراط عقل کا یہ نتیجہ تھا کہ فلاسفہ نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا اور جب عاجز ہو گئے تو ان کی نبوت کا تو اقرار کیا مگر کہنے لگے کہ جاہلوں کے واسطے نبی ہیں ہم کو نبی کی ضرورت نہیں نحن ھذبنا نفوسنا بالحکمۃ ہم نے تو اپنے کو حکمت سے مہذب بنا لیا ہے۔ حق تعالیٰ ایسے لوگوں کے حق میں فرماتے ہیں فرحوا بما عندھم من العلم یہ لوگ اپنے علم پر نازاں ہو گئے اور یہ نہ سمجھے کہ علوم نبوت عقل سے باہر ہیں چنانچہ الٰہیات میں فلاسفہ نے تحقیقات بیان کی ہیں ان میں اتنی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ آج مسلمانوں کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی ان پر ہنستا ہے یہ تو افراط فی العقل ہے اور ایک ہے تفریط کا درجہ یعنی عقل

کی کمی۔ اس کو حماقت کہتے ہیں۔ شریعت میں یہ دونوں درجے بیکار اور مذموم ہیں بلکہ مطلوب توسط ہے جس کو حکمت کہتے ہیں۔

قوتِ شہوانیہ

دوسری قوتِ شہویہ ہے اس میں بھی تین درجے ہیں۔ ایک افراط جس کا نام فجور ہے۔ شریعت میں یہ بھی مطلوب نہیں کیونکہ اس کا انجام فسق ہے۔ اور ایک تفریط ہے کہ آدمی نامرد بن جائے کہ ضروری انتفاعات سے بھی محروم ہو یہ بھی مطلوب نہیں، کیونکہ اس سے ہمت اور حوصلہ پست ہو جاتا ہے اور اولوالعزمی اور اخلاقِ عالیہ مفقود ہو جاتے ہیں جو بڑا نقص ہے۔ اور ایک ہے توسط جس کا نام عفت ہے یہ مطلوب ہے۔

قوتِ غضبیہ

تیسری چیز قوتِ غضبیہ ہے اس میں بھی تین درجے ہیں ایک افراط جس کو تہور کہتے ہیں کہ موقع بے موقع کچھ نہ دیکھے اندھا دھند جوش دکھلانے لگے۔ جیسا آج کل ہو رہا ہے کہ جس طرف چلتے ہیں جوش میں اندھے بن کر چلتے، یہ بھی نہیں دیکھتے کہ اس جوش سے نفع ہوگا یا نقصان۔ یہ بھی شریعت میں مطلوب نہیں۔ اور ایک ہے تفریط جس کو جبن اور بزدلی کہتے ہیں کہ موقع اور ضرورت کے وقت بھی ہمت سے کام نہ لیا جاوے، جیسے بعضے لوگ ایسے ڈرپوک ہوتے ہیں کہ حکام کے سامنے ادب اور تہذیب سے بھی اپنی حاجات ظاہر نہیں کر سکتے۔ یہ بھی مطلوب نہیں۔ اور ایک درجہ توسط کا ہے جس کا نام شجاعت ہے۔ یہ مطلوب۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت اور موقع پر جوش ظاہر کیا جائے جہاں نفع کا ظن غالب ہو۔ اور بے موقع جوش سے کام نہ لیا جائے جہاں نفع کی کچھ امید نہیں محض نقصان ہی نقصان ہے۔

اخلاقِ پسندیدہ

غرض اخلاق پسندیدہ کے اصول تین ہیں۔ حکمت[۱]، عفت[۲]، شجاعت[۳] اور ان کے مجموعہ کا نام عدل ہے اور یہی شریعت کا حاصل ہے اور قرآن میں فرمایا ہے وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطاً اس سے بھی عدل مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے ایک ایسی شریعت دے کر جو کہ سراپا عدل ہے، امت وسط یعنی امت عادلہ بنایا۔

ایک مقدمہ اور سن لیجئے کہ وسط دو قسم کا ہوتا ہے ایک وسط حقیقی ایک وسط عرفی۔ وسط حقیقی وہ خط ہے جو بیچوں بیچ ہو وہ قابل تقسیم نہیں ہوتا۔ اور ایک وسط عرفی ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ یہ ستون مکان کا وسط ہے تو وہ وسط حقیقی نہیں کیونکہ وہ تو منقسم ہے اس کے اندر بھی ایک جز دائیں اور ایک بائیں اور ایک بیچ میں نکل سکتا ہے۔ پھر وہ وسطِ حقیقی کہاں ہوا حقیقی وسط تو وہ ہے جس میں دایاں بایاں کچھ نہ نکل سکے۔ سو ایسا وسط ہمیشہ غیر منقسم ہوگا۔

پس سمجھ لو کہ شریعت اس وسط کا نام ہے جس میں افراط تفریط کا ذرا بھی نام نہ ہو بلکہ عین توسط ہو۔ یہی وسط حقیقی روح شریعت ہے۔ اور یہی کمال ہے۔ اور اوپر معلوم ہو چکا کہ وسط حقیقی ہمیشہ غیر منقسم ہوتا ہے تو شریعت کی روح بھی غیر منقسم ہے۔ چنانچہ جس اصول اخلاق کو میں نے بیان کیا ہے ان میں افراط تفریط کو چھوڑ کر جو ایک وسط نکلے گا جس کو نہ افراط کی طرف میلان ہوگا، نہ تفریط کی طرف وہ ہمیشہ غیر منقسم ہوگا اور ایسے وسط پر رہنا ضرور دشوار ہے۔

شریعت کی نزاکت

پس شریعت ان دونوں جانبوں پر نظر کرکے اپنی دشواری کی وجہ سے تلوار سے تیز اور بوجہ غیر منقسم ہونے کے بال سے باریک ہوگی کیونکہ بال بھی منقسم ہے اور وسط حقیقی غیر منقسم ہے پس قیامت میں روحِ شریعت یعنی وسط حقیقی جوہر بن کر پل صراط کی شکل میں ظاہر ہوگا جس پر سے مسلمانوں کو چلایا جاوے گا پس جو شخص دنیا میں شریعت پر تیزی وسہولت کے ساتھ چلا ہوگا وہ وہاں بھی تیزی کے ساتھ چلے گا کیونکہ وہ بھی تو شریعت ہوگی جس پر دنیا میں چل چکا ہے اور جو یہاں نہیں چلا یا کم چلا ہے وہ پل صراط پر بھی نہ چل سکے گا یا سستی کے ساتھ چلے گا۔

لیجئے میں نے آپ کو پل صراط کی سیر بھی دکھلادی۔ اب تو کوئی اشکال نہیں رہا۔ اسی طرح ہمارے پاس تمام شرعیات کیلئے عقلی نظائر موجود ہیں۔ یہ نہ سمجھئے کہ پل صراط ہی کی خصوصیت ہے لیکن ہم ان تحقیقات کو مقصود نہیں سمجھتے، ہمارا اصلی مذہب تو یہ ہے کہ ؎

ماقصۂ سکندر ودارا نخواندہ ایم ∴ از ما بجز حکایت مہر ووفا مپرس

باقی میں نے نمونہ کے طور پر یہ تحقیق اس لئے بیان کردی تاکہ معلوم ہوجائے کہ ہمارے پاس ہر مسئلہ میں ایسی ہی تحقیقات موجود ہیں اور سمجھ میں آجائے کہ علم شریعت کے سامنے علوم فلسفہ کی کچھ بھی حقیقت نہیں جس سے نمونہ کے طور پر اس وقت میں نے کچھ بیان کردیا ہے تاکہ آپ علماء اسلام کو تحقیقات سے خالی نہ سمجھیں، بحمد اللہ ہمارے پاس ان تحقیقات کا ذخیرہ بھی بہت زیادہ ہے۔ لیکن ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

(تفصیل الدین ص ۳۵ تا ۵۲)

(۳۰) اس رائے کا جواب کہ مولوی سب باہم متفق ہوجائیں تو سارا باہمی نزاع دور ہوجائے

واقعی یہ ایک قیمتی رائے ہے مگر اس میں ایک دھوکا ان صاحبوں کو ہو رہا ہے جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں مگر اول اس کی ایک نظیر پیش کرتا ہوں کیونکہ آج کل بدوں اس کے لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔

اس وقت یہ بات سب کو مسلم ہے کہ اہل یورپ آج کل سب سے زیادہ متمدن ہیں، بالخصوص انگریز دنیاوی امور میں ان کی عقل وفہم سب سے زیادہ حجت سمجھی جاتی ہے۔ ان کا ایک قانون ہے کہ جب کوئی عدالت میں جاکر نالش کرے تو حاکم کو اس کی تنقیح کرنی چاہئے شہادت اور ثبوت طلب کرے اور وکلاء طرفین میں گفتگو ہوا اور آخیر تک حاکم سب کی گفتگو سنتا رہے پھر اپنی رائے کے موافق کسی ایک کو ترجیح دیکر ڈگری دیتا ہے اور اس درمیان میں ظاہر ہے کہ ہر ایک ایک وکیل اپنے مؤکل کو غالب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور طرفین میں اچھی طرح مباحثہ قائم ہوتا ہے۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ کوئی تعلیم یافتہ اس طریقہ تنقیح میں اس حاکم کو ظالم کہے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ ہر ایک شخص اس کو عدل کے موافق سمجھتا ہے، پس اگر نااتفاقی بری چیز ہے تو ان وکلاء طرفین کو کیوں نہیں ملامت کیجاتی اور سب سے زیادہ اس حاکم کو ملامت کرنی چاہئے جس نے اپنی کچہری میں نزاع اور بحث قائم ہونے دی اور اسی پر اپنے فیصلہ کی بنیاد ڈالی۔ مگر جب اس منازعت کو قابل ملامت نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کو عین عدل کہا جاتا ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ منازعت اور نااتفاقی مطلقاً بری نہیں بلکہ طریقہ یہ ہے کہ اول معاملہ کی تنقیح کیجاتی اور قبل تنقیح کے دونوں میں سے کسی کو ملامت نہیں کیجا سکتی اور تنقیح کے بعد جو حق معلوم ہو اس کا ساتھ دو اور جو ناحق پر ہو اس کو ملامت کردیہ کیا کہ دونوں کو ملامت کیجاتی ہے اور دونوں کو اس اختلاف چھوڑنے اور اتفاق کرلینے کی ترغیب دی جاتی ہے ہر معاملہ میں ایسا اتفاق ممکن نہیں ہوا کرتا۔ اگر حاکم بھی ایسا ہی کرے کہ دونوں فریق کو ملامت کرنے لگے تو کیسے ہو مگر دنیاوی معاملات میں یہ تو تعلیم یافتہ بھی اس قاعدہ پر عمل نہیں کرتے اور ہمیشہ ایک فریق کا جو حق پر معلوم ہو ساتھ دیا کرتے ہیں پھر دین کے بارہ میں یہ قاعدہ کیوں نہیں برتا جاتا اس سے ایک راز معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے دلوں میں دین کی وقعت وعظمت

کوئی چیز نہیں اسلئے اس کی کچھ فکر بھی نہیں۔

اختلاف کی وجہ

میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر حاکم کے برابر بھی ان کے نزدیک مذہب کی ضرورت ہوتی تو یہ ہمیشہ صاحب حق کی مدد کرتے یہ کیا کہ زید کو بھی ملامت عمر کو بھی ملامت، اس کو اتفاق کی ترغیب اس کو بھی۔ آخر کس بات میں دونوں متفق ہوں، کس بات کو قبول کریں۔ اگر کوئی ایسی بات ہو جس میں اتفاق ہو سکے تو خیر۔ جب اعتقاد کا اختلاف ہے، ایک فریق حضرت علی رضی اللہ وجہہ کو نبی سمجھتا ہے دوسرا فریق ایسا نہیں سمجھتا۔ ایک فریق ابو حنیفہؒ کو فقیہ مجتہد سمجھتا ہے دوسرا ان کو مخالف خدا اور رسول جانتا ہے۔ تو اب بتلاؤ کہ اتفاق کی کیا صورت ہے۔ دونوں کے عقائد میں تضاد ہے اب سوا اس کے کہ فریق اپنا عقیدہ بدلے اس کے سوا کوئی صورت اتفاق کی نہیں اپنے اپنے عقیدے قائم رہ کر اتفاق ہرگز متصور نہیں، البتہ اگر مذہب عقیدہ کوئی ضروری چیز نہ ہو تو پھر واقعی ہو سکتا ہے مگر اس کو بجز ان نو تعلیم یافتہ حضرات کے کوئی عاقل بھی تسلیم نہیں کر سکتا اور زبان سے تو یہ بھی تسلیم نہیں کر سکتے اگرچہ دلوں میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔

دوسرے اس طریقہ پر دنیاوی امور میں بھی عمل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک شخص نے مجلس میں ایک بات نکالی تو اس میں بھی دو چار اختلاف کرنے والے ہو جائیں گے اب اگر دونوں فریق کو ملامت کی جائے اور اتفاق کی ترغیب دی جائے تو سو قیامتیں آجائیں گی مگر اتفاق ناممکن ہوگا۔

پس آپ کا طریقہ تو ایسا ناتمام ہے کہ نہ دین میں کارآمد اور نہ دنیا میں۔ اب میں بتلاتا ہوں کہ اتفاق کیونکر ہو، پہلے آپ خود تحقیق کیجئے کہ صورت معاملہ کیا ہے پھر جو حق جانب ہو اس کا ساتھ دیجئے اور دوسرے کو ملامت کیجئے اور پہلے کا تابع بنائیے یہ جو دونوں کو ملامت کی جاتی ہے سخت غلطی ہے۔

اس زمانہ کے نوجوانوں کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ وہ اتفاق کو محمود اور اختلاف کو مذموم سمجھ کر علماء کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ آپس میں اتفاق کر لو۔ پس ان کی اتنی بات تو قابل تسلیم ہے کہ نزاع و اختلاف واقعی بری چیز ہے اس کے زائل کرنے کا جو طریقہ بتلایا جاتا ہے کہ دونوں کی ملامت کر کے اتفاق کی دونوں کو ترغیب دی جاتی ہے یہ بالکل سراسر عقل کے اور فطرت کے خلاف ہے، کیونکہ اسکے تو یہ معنیٰ ہوئے۔ کہ صاحب باطل کچھ صاحب حق کا اتباع کرے اور صاحب حق کچھ صاحب باطل کا اتباع کرے کہ پہلے ایک فریق جو خالص حق پر تھا تو اب وہ بھی باطل کا پیرو ہو جائے، اس کو فطرت انسانیہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتی۔

عجیب بات ہے کہ یہ لوگ خلاف فطرت کی تعلیم کو ہمیشہ ناقابل اشاعت سمجھتے ہیں اور سب سے

زیادہ مدعی فطرت ہیں مگر دین میں نہ معلوم وہ فطرت کیا ہو جاتی ہے جو خود خلاف فطرت کی تعلیم دیتے ہیں۔ (وحدۃ الحب ص ۹۲)

(۲۱) دوعورت میں مساوات اور اس کا فیصلہ

آج کل کے نوجوانوں کا یہ دعویٰ مساوات محض زبان سے ہی ہے عمل میں وہ بھی برابری نہیں کر سکتے۔ ایک متمدن قوم کو دیکھ لیا کہ وہ عورتوں کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں تو خود بھی اس کا اتباع کرنے لگے مگر یہ نہ دیکھا کہ وہ لوگ کسی مذہب کے پابند نہیں ایسے لوگوں کی تقلید پابند مذہب قوم کیسے کر سکتی ہے پھر اس کے اس طرز و انداز کے نتائج پر نظر نہ کی کہ اس مساوات کا اثر ان کے حق میں مفید ہوا یا مضر غرض بالکل کورانہ تقلید کر کے مساوات نساء کے قائل ہونے لگے۔

جب خدا ہی نے عورت کو تشریعاً و تکویناً محکوم بنایا ہے تو اس کو برابر کون کر سکتا ہے، کیونکہ خدا کا عورتوں کو محکوم بنانا جیسا کہ آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے دلیل عقلی سے بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس بات پر سارا عالم متفق ہے کہ عورتیں مرد سے کم ہیں بہت سی باتوں میں اس کا کسی کو انکار نہیں، اور جس بات پر ساری دنیا کا اجماع ہو وہ طبعی تقاضا اور فطری قانون ہوتا ہے عقلی دلیل کے علاوہ حسی دلیل بھی اس بات پر قائم ہے کہ عورتیں مرد سے کم ہیں۔

مرد و عورت کی خلقت میں فرق

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ خدا نے عورت و مرد کی خلقت میں کتنا فرق رکھا ہے۔ مرد جسمانی قوت میں عورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ عقل مرد کی زیادہ ہوتی ہے۔ آواز مرد کی بلند ہوتی ہے۔ مرد عورت سے رائے میں زیادہ پختہ ہوتا ہے اور عورت کو دیکھا جائے تو اس کی ہر چیز مرد سے کم نظر آتی ہے، ظاہری اعضاء کی بناوٹ میں بھی اور عقل و رائے میں بھی،

قرآن میں حق تعالیٰ کفار کی خرابی عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ام اتخذ مما یخلق بنات واصفکم بالبنین یعنی کیا خدا تعالیٰ نے اپنے لئے مخلوقات میں سے لڑکیاں تجویز کی ہیں اور تم کو لڑکوں کے ساتھ منتخب کیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں اومن ینشؤ فی الحلیۃ وھو فی الخصام غیر مبین کہ خدا تعالیٰ کے لئے تجویز بھی کیں تو لڑکیاں جو ابتدا سے زیور اور گہنے میں پرورش پاتی ہیں۔

اور دوسرے یہ کہ قوتِ بیانیہ میں نہایت ضعیف ہیں۔ یہ دو باتیں عورتوں میں نقص کی ایسی ہیں کہ آنکھوں سے دیکھ لو، واقعی لڑکیوں میں ابتداہی سے ہی سے زیور کا شوق ہوتا ہے اور یہ دلیل ہے، ان کی محدودیت نظر کی چنانچہ خود مردوں ہی میں دیکھ لو جس کو زینت کا شوق ہوگا، اس کے خیالات پست اور محدود ہوں گے اور جو سادہ ہوگا اس کے خیالات عالی ہوں گے اور اس کا راز یہ ہے کہ لباس وغیرہ ضرورت کی چیزیں ہیں اصل مقصود نہیں۔ اب سمجھ لیجئے کہ ضرورت کی چیزوں سے کتنا تعلق ہونا چاہیئے سو ظاہر ہے کہ ہر عاقل ضرورت کی چیزوں سے بقدر ضرورت تعلق رکھے گا اور زیادہ کوشش اصل مقصود میں کرے گا وہ شخص نہایت پست خیال ہے جو غیر مقصود چیزوں کی دھن میں لگا رہتا ہو۔ پس لڑکیوں کو زیور اور زینت سے رغبت ہونا ان کے پستیٔ خیالات کی دلیل ہے مرد اکثر سادہ ہوتے ہیں ہاں جن مردوں پر زنانہ پن غالب ہو یہاں انکا ذکر نہیں۔

تعلیم یافتوں کا حال

تعلیم یافتہ قوموں کو بھی دیکھ لیجئے، تجربہ کار لوگوں کا بیان ہے کہ انکی عورتیں باوجود تعلیم حاصل کر لینے کے پھر مردوں سے بہت کم ہیں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ اگر ان میں کسی عورت کو کچھ بیان کی ضرورت پڑجاتی ہے تو وہ چند جملے کہکر بیٹھ جاتی ہیں، مردوں کی طرح اس کی گفتگو میں کبھی وسعت نہیں ہوتی۔ تو یورپ کی عورتیں بھی لیاقت علمی میں مردوں کے برابر ہرگز نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ دستکاری میں یا کسی خاص سلیقے میں برابر یا زیادہ ہوں۔

غرض جس کو قدرت نے محکوم بنایا ہو اس کو مساوی کون کر سکتا ہے۔ اور یہ محکومیت عورتوں کے لئے خداتعالیٰ کی بڑی نعمت ہے (اور یہ اس لئے کہا گیا تاکہ عورتیں اس تقریر کو سن کر دل گیر نہ ہوں) نعمت اس لئے ہے کہ اگر دنیا میں سب برابر درجے کے ہوتے تو انتظام قائم نہ رہ سکتا تو یہ ضروری بات تھی کہ ایک گھٹا ہوا ہو اور دوسرا بڑھا ہوا ہو۔ اگر سارے حاکم ہی ہوتے تو کاشتکاری کون کرتا عمارت کون بناتا، آٹا کون پیستا۔

انتظام کا تقاضا

غرض دنیا کا انتظام اس کو چاہتا ہے کہ سب ایک درجے کے نہ ہوں بلکہ ایک بادشاہ ہو، ایک وزیر، کوئی حاکم، کو رعیت، کوئی تاجر، کوئی مزدور، یہ فرق مراتب ضروری تھا ہاں اس فرق مراتب کی یہ بھی ایک صورت تھی کہ عورتیں پڑھی ہوئی ہوتیں وہ گھٹے ہوئے۔ مگر چونکہ ان کی عقل ورائے ضعیف ہے اسلئے تمدن خراب ہوجاتا وہ خود اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتیں دوسروں پر حاکم بن کر ان کی نگہبانی تو کیا کرتیں، بیوقوف کیلئے

یہی مصلحت ہے کہ کسی کے تابع ہوکر رہے اگر کسی بیوقوف کو حاکم بنادیا جائے تو دیکھو انجام کیا ہوگا خود بھی ہلاک ہوگا دوسروں کو بھی تباہ کرے گا۔ اگر چھوٹے بچے کو ماں باپ کا تابع نہ کیا جائے تو وہ یقیناً ہلاک ہوگا۔ کیونکہ اس کو اپنے نفع اور ضرر کی کچھ خبر نہیں۔

تو بیوقوف کیلئے کسی کا ماتحت ہونا بھی مصلحت ہے تاکہ دوسرا اس کو روک ٹوک کر سکے۔ اور یہی راز ہے اس حدیث کا جو حضورؐ سے مروی ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس کی حاکم عورت ہو کسریٰ شاہ فارس کی بیٹی جب بادشاہ ہوئی تھی اس پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

عورتوں کو حاکم بنانا

یہیں سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ آج کل ہماری خرابی و خستگی کا باعث ایک یہ امر بھی ہے کہ ہم نے عورتوں کو اپنے گھر کا حاکم بنادیا ہے اگرچہ یہ چھوٹی سی حکومت ہے مگر اس کا نتیجہ بھی خراب ہی ہے مثلاً شادی بیاہ کی ساری رسمیں عورتوں ہی کی خواہش سے پوری کیجاتی ہیں جس کا انجام ظاہر ہے کہ کیا ہوتا ہے کس قدر خاندان ان رسوم شادی میں تباہ ہوگئے یہ سارا فساد عورتوں کے حاکم بنانے کا ہے، عورتوں کی دلجوئی کرنا ضروری ہے مگر انکے تابع بننا برا ہے۔ اس وقت سارا مال و اولاد عورتوں کے قبضہ میں ہم نے کردیا ہے پھر دیکھ لیجئے روپیہ کیسے بیجا مواضع میں صرف ہوتا ہے اور بچوں کی صحت خراب اور اخلاق تباہ ہو رہے ہیں، عورتیں بچوں کو جو چاہیں کھلا دیتی ہیں جس سے انکی زندگی بیماری میں کٹتی ہیں محبت و پیار حد سے زیادہ کرتی ہیں جس سے لڑکے شوخ ہوجاتے ہیں۔

تو اپنے مال و اولاد کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہیئے عورتوں کو حاکم کردینا سخت باعث تنزل ہے جس کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے فرما گئے ہیں۔

اس حدیث پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ بعض متمدن قوموں میں عورتیں حاکم ہوتی ہیں اور بعض جگہ اب بھی ہیں اور پھر ان کو ترقی ہے اول تو مال و مادیات کی ترقی فلاح نہیں، فلاح قومی کی اصل ترقی اخلاق و علمی و روحانی ہے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ جن قوموں میں عورت بادشاہ ہے انکو یہ ترقی نصیب ہوئی۔ دوسرے اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ان کی ترقی حقیقی ترقی ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ اس کا اثر ہے کہ ان میں عورتیں خود مختار حاکم نہیں محض ضابطہ کی حاکم ہیں۔ اصل بادشاہ پارلیمنٹ ہے تو ایسی حکومت کوئی حکومت نہیں نام کی بادشاہت ہے اس سے مضمون حدیث پر غبار بالکل نہیں آسکتا، میں نے اس حدیث کو اس وقت اسی لئے پڑھ دیا کہ ہمکو معلوم ہوجائے کہ اس وقت جو ہم نے گھر باہر کا حاکم عورتوں کو بنا رکھا ہے اسکو بھی ہماری پستی اور تنزل میں دخل ہے اور آجکل ہم پر یہ ایسی تباہی آرہی ہے کہ بجا

متبوع بننے کے عورتوں کے بالکل تابع ہو گئے اور غضب یہ ہے کہ عذر کے موقع میں کہا جاتا ہے کہ صاحب کیا کریں عورتیں نہیں مانتیں سو یہ کہنا کتنی کم ہمتی کی بات ہے اگرچہ یہ بھی ایک بہانہ ہے جس بات کو ان کا خود جی چاہتا ہے اس میں عورتوں کے کہنے سے مجبور ہو جاتے ہیں ورنہ جس بات کو انکا جی نہ چاہے مثلاً بعض لوگ اپنی عورتوں کو باپ کے گھر نہیں جانے دیتے اس میں عورتیں لاکھ تقاضہ کریں کبھی نہیں مانتے پس اول تو یہ عذر بالکل غلط ہے اور اگر سچ ہے تو اور بھی برا ہے کہ مرد ہو کر بیوی کے غلام بن گئے۔

غرض عورت کیلئے یہی مصلحت ہے کہ مرد کے تابع ہو کر رہے اور شریعت نے بھی عورتوں کو محکوم ہی بنایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ یعنی مردوں کو عورتوں کا نگراں بنایا گیا ہے۔ (شعب الایمان صـ۱۰۴)

(۳۲) اس شبہہ کا جواب کہ غیر مسلم اگر مہذب ہو تو ناجی کیوں نہیں

ایک شخص ہے کہ وہ گورنمنٹ کے شاہانہ اقتدار کو مانتا ہے، مگر ہمیشہ قانون کے خلاف عمل کرتا ہے چوری بھی کرتا ہے جوا بھی کھیلتا ہے اور بد تہذیب بھی ہے تو ایسے شخص کے قلب میں چونکہ گورنمنٹ کا اقتدار ہے اس لئے اسے بغاوت کی سزا نہ ہوگی اور ہمیشہ کے لئے مردودِ نظر نہ ہوگا بلکہ صرف اختتام سزائے معین تک، اور اسکے بعد پھر وہ گورنمنٹ کی محبوب رعایا میں داخل ہو جائیگا۔

برخلاف اس شخص کے جو کہ نہایت مہذب و متین ہو اور افعال قبیحہ خلافِ قانون سے بھی بچتا ہو مگر گورنمنٹ کے اقتدار شاہانہ کو تسلیم نہیں کرتا ہو تو اس کو بغاوت کی یہ سزا ہوگی کہ عبور دریائے شور کر دیا جائے گا یا پھانسی دے دیا جائے گا اور ہمیشہ کیلئے معتوب رہے گا۔

اے صاحبو! سمجھ لیجئے کہ اسی طرح اسلامی قانون بھی ہے کہ جس کے عقائد اچھی نہیں وہ باغی ہے اگرچہ نماز روزہ کرے اور کیسا ہی شائستہ ہو ہمیشہ کے لئے مردودِ بارگاہ ایزدی ہوگا اگر توبہ نہ کرے برخلاف اس شخص کے کہ جو نماز و روزہ کچھ نہیں کرتا اور ہر قسم کے معاصی میں مبتلا رہتا ہے مگر عقائد اچھے ہوں تو اس کو وہی میعادی سزا خلاف قانون عمل کرنے کی ہوگی اگر توبہ نہ کرے لیکن باغیوں میں شمار نہ ہوگا۔ اور اختتامِ سزا کے بعد پھر وہی حق تعالیٰ کی محبوب رعایا یعنی جنتیوں میں داخل ہو جائے گا۔

غیر مسلم کے ناجی نہ ہونے کی وجہ

مگر یہاں پر بعضے شبہہ کیا کرتے ہیں کہ جب کسی غیر مسلم میں اخلاق و اعمال شائستہ ہوں تو کیا وجہ ہے کہ وہ ناجی نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ گورنمنٹ پر بھی اعتراض کیا ہوتا کہ کیا وجہ ہے کہ جب ایک باغی مہذب ہے بقیہ جرائم قانونی سے بھی محفوظ ہے پھر کیوں اس کو سزا ہوئی ہے اس کے سزا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ باغی ہے تو اس کے سارے کمالات ہیچ در ہیچ ہیں پس اسلامی قانون بھی ایسا ہی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جتنے شبہے اسلام پر ہیں اپنے معاملات میں غور کریں تو سب کا جواب نکل آئے گا۔ مگر غور کون کرے۔ دین تو آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔

افسوس کیسی آفت ہے کیسا طوفانِ بے تمیزی برپا ہے اور پھر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔

(الوقت صـ۱۲۹)

تمت بالخیر

مکتبہ تھانوی دیوبند
ضلع سہارنپور۔ یوپی

فہرست مضامین حصہ چہارم

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
ڈارون کے اس کہنے کی تردید کہ اصل		بیدار ہو جانا	۴۰۳
انسان بندر ہے۔	۳۸۸	قرآن بعد حفظ ہوتا ہے	۴۰۴
یہ مشاہدہ نہیں ہے	۳۸۸	تلاوت قرآن کی برکت	۴۰۴
زمین کی حرکت کا مسئلہ	۳۸۹	عارفین کا حال	۴۰۵
آفتاب کا طلوع وغروب ہونا	۳۸۹	قوت واعضاء انسانی کا اقرار	۴۰۵
آدمی علم دین پڑھ کر کم عقل نہیں ہوتا	۳۹۰	ایک واقعہ	۴۰۶
قرآن پڑھنے سے فائدہ ہے اگرچہ معنی		بے معنی سمجھے قرآن کا فائدہ	۴۰۶
نہ سمجھتا ہو۔	۳۹۱	ایک دوسرا عالم بھی ہے	۴۰۷
ایک شبہ کا جواب	۳۹۲	تلاوت قرآن پر توجہ	۴۰۸
عام مسلمان بہتر ہیں	۳۹۳	اللہ تعالیٰ کی محبت	۴۰۸
قرآن کا سمجھنا	۳۹۵	ایک واقعہ	۴۰۹
قرآن کا معجزہ	۳۹۷	قرآن میں معجزہ	۴۱۰
قرآن کی یاد کرنے کو بیکار کہنے والے	۳۹۸	حضرت موسیٰ کا واقعہ	۴۱۱
اللہ کا نور مٹ نہیں سکتا	۳۹۹	کلام اللہ پڑھنا	۴۱۲
قرآن کی حفاظت	۴۰۰	الفاظ بھی مقصود ہیں	۴۱۳
اسباب محبت	۴۰۰	دریا کی سیر	۴۱۴
الفاظ قرآن کی حفاظت کا اہتمام	۴۰۰	الفاظ قرآن	۴۱۴
قرآن کی رسم خط کی حفاظت	۴۰۱	سیرت کیساتھ صورت پر نظر	۴۱۵
خلیفۃ اللہ کا خطاب	۴۰۲	صورت کی اہمیت	۴۱۶
ارشاد خداوندی	۴۰۳	حروف مقطعات کی نکات	۴۱۶

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
قرآن سے معنی کیساتھ الفاظ بھی مقصود ہیں	۴۱۷	ایک مثال	۴۳۳
فرشتوں سے سوال کہ میرے بندے		انبیاء کرام پر مصائب	۴۳۴
کیا کر رہے ہیں۔	۴۱۸	طاعون سے بھاگنے والا	۴۳۶
لوح محفوظ کی وسعت پر شبہ کا جواب	۴۱۹	خوشی بوقت موت	۴۳۷
مرجانے کے بعد عذاب قبر روح پر ہوتا		بعد موت کا حال	۴۳۷
ہے یا جسم پر۔	۴۱۹	بد دینی کا اثر	۴۳۸
بارہ بروج کا ثبوت قرآن مجید سے دینا		مالداری کا مشاہدہ	۴۳۹
صحیح نہیں۔	۴۲۰	صورت وحقیقت	۴۴۰
آیات کی تفسیر قواعد ہیئت پر ہے۔	۴۲۱	مصیبت کی قسمیں	۴۴۰
قرآن وحدیث کا جو مطلب علماء بیان		بچہ کے ختنہ کی مثال	۴۴۱
کرتے ہیں وہی درست ہے	۴۲۲	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے	
مجتہدین کی شان	۴۲۳	حقوق میں کوتاہی۔	۴۴۲
علماء کی پیروی	۴۲۴	احکام شرعیہ کی حکمت	۴۴۴
طاعون میں اعمال کی خرابی	۴۲۵	ترقی مطلوبہ کی شریعت نے تعلیم نہیں فرمائی	۴۴۶
ایک حکایت	۴۲۶	محدثین پر اعتراض کا جواب	۴۴۷
مصیبت اگر گناہ ہونے کی وجہ سے آتی		محتاج اصلاح دوسروں کی اصلاح	
ہے تو کفار پر آنی چاہیے	۴۲۸	کیا کریں گے۔	۴۴۸
انبیاء پر مصائب	۴۲۹	آج کل کے جلسے	۴۴۹
درجات کی بلندی	۴۳۰	علماء کا استیصال اسلام کا استیصال ہے	۴۴۹
خوشحالی وبدحالی	۴۳۱	حجرہ نشینوں کا جواب	۴۵۰
ایک واقعہ	۴۳۱	لیڈران قوم کے طریقے شریعت کی نظر میں	۴۵۱
عقل کا تبادلہ دولت سے	۴۳۲	غیر قوموں کی ترقی کا راز کیا ہے	۴۵۳
امام غزالی کا قول	۴۳۲	مسلمانوں کی حالت	۴۵۴
مصیبت کیوں آتی ہے	۴۳۳	مجلس کے آداب	۴۵۵

مضامین	صفحہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور	۴۵۶
کفار کا قول	۴۵۷
نظافت کا قول	۴۵۸
ہندو مسلم اتحاد کی خرابی	۴۵۹
غیروں کی تعریف	۴۵۹
قومیت کی حفاظت	۴۶۱
غیر مسلموں کی حمایت	۴۶۲
قتال کی اجازت	۴۶۲
اخلاق کا رسوخ	۴۶۳
انصار مدینہ	۴۶۳
واقعہ ہجرت سے امتحان	۴۶۴
مسائل سے اجتناب	۴۶۵
ایک فتویٰ	۴۶۵
اسلام میں قناعت	۴۶۶
تبلیغ دین کی ممانعت	۴۶۶
مقصود بالذات رضاء حق ہے نہ کہ سلطنت۔	۴۶۷
علماء لیڈروں کے ساتھ	۴۶۷
رضاء حق	۴۶۸
تشبہ بالکفار مذہبی کاموں میں حرام ہے۔	۴۷۰
مشتبہ صورت	۴۷۰
اسلام کی تعلیم	۴۷۱

مضامین	صفحہ
بے پردگی	۴۷۲
آج کل کے مسلمانوں کا حال	۴۷۳
جدید تعلیم یافتہ کا غلط استدلال	۴۷۵
ہر اتفاق نہ محمود ہے اور نہ ہر اختلاف مذموم۔	۴۷۶
حق کا ساتھ دینا چاہیئے	۴۷۷
افتراق کی مثال	
حقیقت شریعت اعتدال کا نام ہے	۴۷۸
شریعت سے ناگواری کی وجہ	۴۸۰
قانون میں حکمت	۴۸۱
ایک مثال	۴۸۳
غیر ملکی ایک حکایت	۴۸۴
شریعت کا اتباع	۴۸۵
اتباع شریعت	۴۸۶
آفتاب کی مثال	۴۸۷
اتباع شریعت کا فائدہ	۴۸۸
راستہ طے کرنے والوں کی ضرورت	۴۸۹
عذاب قبر پر اعتراض کا جواب	۴۹۰
اسلام درحقیقت اللہ کا راستہ ہے	۴۹۱
حق تعالیٰ کی امداد	۴۹۲
بعض عاصی کی مغفرت بدون عذاب کے بھی ہوگی۔	۴۹۳
مرتد بغاوت میں کافر اصلی سے بڑھا	۴۹۴

مضامین	صفحہ
ہوا ہے۔	
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غنائے قلب کا حال۔	۴۹۵
جنت میں شہداء کی ارواح کا سبز پرندوں میں ہونا۔	۴۹۷
اہل دنیا کے آخرت کا نفع دنیا کے نفع سے بڑھا ہوا ہے۔	۴۹۷
دنیا کی وجہ سے آخرت چھوڑنا	۴۹۹
آخرت کا نفع یقینی ہے	۴۹۹
حسن یوسف علیہ السلام وجمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق	۵۰۰
علماء کرام میں غیر خدا سے طبعی خوف کی وجہ۔	۵۰۲
جنٹلمینوں کا انگریزی کو علم میں شمار کرنا غلطی ہے۔	۵۰۴
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا سے طلب کرنا محبت الٰہی کا نتیجہ ہے۔	۵۰۷
انبیاء علیہم السلام پر نزع کی کیفیت کیوں ہوتی ہے۔	۵۱۰
تفاضل تفصیلی بین الانبیاء ممنوع ہے	۵۱۲
حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اعتراض	۵۱۳
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال بیان کرنے میں اعتدال۔	۵۱۵

مضامین	صفحہ
عربی گھوڑے	۵۱۶
اہل عرب کا حال	۵۱۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح فرمانے کی حکمت۔	۵۱۷
حضرت عمرؓ کا واقعہ	۵۱۸
حضرت گنگوہیؒ کا دبدبہ	۵۱۹
اس شبہ کا جواب کہ تقدیر کس طرح بدل سکتی ہے۔	۵۲۰
فلسفہ اور تعلیم انبیاء علیہم السلام میں فرق۔	۵۲۱
علم معقول	۵۲۲
تعلیم انبیاء	۵۲۳
نوتعلیم یافتہ کو ظاہری اصلاح کے ساتھ باطن کی صفائی بھی ضروری ہے۔	۵۲۳
دین کے اجزاء	۵۲۴
باطن کی اصلاح	۵۲۵
تاویل کی خرابی	۵۲۷
باطنی بیماری کا علاج	۵۲۸
ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح ضروری ہے۔	۵۲۹
دین سے بے رغبتی	۵۳۰
دین کی اہمیت	۵۳۱
امراء کا حال	۵۳۲

مضامین	صفحہ
ایک لطیفہ	۵۳۴
بے غیرتی کی انتہا	۵۳۵
ایک صاحب کا حال	۵۳۵
بعض لیڈروں کی حالت	۵۳۶
نماز پر اعتراض	۵۳۷
ایک بڑھیا اور شاہی باز	۵۳۸
ظاہر و باطن	۵۴۰
عمل کی ضرورت	۵۴۰
طبیعت بے شعور کو فاعل ماننا سراسر حماقت ہے ۔	۵۴۱
صرف عقل پر اعتماد کا انجام	۵۴۳
خدا کے منکر	۵۴۴
سائنس دانوں کا حال	۵۴۵
ایک صاحب علم کا قصہ	۵۴۶
موحد کا حال	۵۴۷
مولوی لوگوں کو کافر بناتے ہیں	۵۴۹
عقل ہماری اتنی خیرخواہ نہیں ہے جتنی شریعت خیرخواہ ہے ۔	۵۵۰
کفار کا مال دبالینا حلال نہیں ہے	۵۵۱
تقدیر پر اعتقاد رکھنے سے دنیا میں راحت رہتی ہے اور انکار سے پریشانی بڑھتی ہے ۔	۵۵۳
ایک بزرگ کی حکایت	۵۵۴

مضامین	صفحہ
مجنون کا حال	۵۵۴
روح کو موت نہیں آتی جسم عنصری کو آتی ہے ۔	۵۵۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت آخرت میں کفار کیلئے ۔	۵۵۸
کفار کے حق میں سفارش کی نوعیت	۵۵۹
مطیع اور غیر مطیع پر مصائب آنے میں فرق ہے ۔	۵۶۱
قرآن کریم میں ہر پہلو کی رعایت ہے	۵۶۳
قیامت کا حال	۵۶۴
قرآن پاک کی آیتوں میں باہم ربط ہے اور مفسرین کا بیان درست ہے ۔	۵۶۶
تفسیر بالرائے تحریف معنوی ہے	۵۶۷
قرآن کریم سے متعلق شبہات دور کرنیکا طریقہ ۔	۵۶۸
وجود صانع کی عقلی دلیل	۵۷۰
ایک اعتراض کا جواب	۵۷۱
عہد میثاق پر شبہ کا جواب	۵۷۱
مال تدبیر سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ تقدیر سے حاصل ہوتا ہے ۔	۵۷۳
سائنس کی ایجاد	۵۷۴
اسلام نے سادگی سکھلائی ہے	۵۷۵
مولانا گنج مراد آبادی	۵۷۶

مضامین	صفحہ
بے تکلفی	۵۷۷
ایک واقعہ	۵۷۷
علماء پر ایک اعتراض کا جواب	۵۷۸
ایک بھٹیاری کا قصہ	۵۷۹
اس اعتراض کا جواب کہ شریعت قید محض ہے ۔	۵۷۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج جسمانی پر شبہات کا جواب ۔	۵۸۲
معراج کا واقعہ	۵۸۲
تبلیغ کیلئے چندہ جمع کرنے کا کام علماء کے سپرد نہیں کرنا چاہیئے ۔	۵۸۶
نسب نامے نہ تو محض بے کار ہیں، اور نہ ہی مدار فخر ہیں۔	۵۸۷
نماز کی برکتیں اور اس کے نہ پڑھنے پر ترہیب ۔	۵۹۰
نماز میں مساوات	۵۹۱
جماعت کی اہمیت	۵۹۲
اتحاد واتفاق میں حدود کی رعایت	۵۹۳
اصلاح کا طریقہ	۵۹۴
اتحاد کیلئے حدود	۵۹۵
اصلاح کا حاصل	۵۹۶
دین پر ڈاکہ	۵۹۷
اتحاد غلط طور پر	۵۹۵

مضامین	صفحہ
کفار سے اتحاد	۵۹۸
ترقی متعارف کا رد	۶۰۰
آج کل کی ترقی کا حال	۶۰۰
توجہ الی اللہ کے معنیٰ	۶۰۱
پردہ کا عقلی ثبوت	۶۰۲
کیا وجہ ہے کہ اعمال آخرت میں رغبت نہیں ہوتی ۔	۶۰۳
عالم مثال اور عذاب وثواب قبر کا اثبات ۔	۶۰۶
اس اعتراض کا جواب کہ عالم آخرت محض خیال ہی ہے ۔	۶۱۱
حقیقت پل صراط	۶۱۳
عقل کے معنیٰ اور تشریح	۶۱۵
حصہ چہارم ختم شد	

ڈارون کے اس کہنے کی تردید کہ اصل انسان بندر ہے

کتنے افسوس کی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ انسان کی اصل انسان ہے اور ڈارون جو ایک ملحد ہے وہ کہے کہ سب سے پہلے ایک مادہ مطلقہ موجود تھا اور پھر تحرک سے اس میں حرارت پیدا ہوئی، اور شمس وغیرہ بنا اور اس کے بعد پھر نباتات بنے پھر حیوانات بنے، ان میں بندر بنا اور بندر یکایک جست کر کے انسان بن گیا۔ اسی طور پر وہ تمام حیوانات و نباتات میں اسی کا قائل ہے کہ ایک دوسرے سے نکلتے چلے آئے ہیں۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر شبہ کیا جاتا ہے اور ڈارون کے کہنے پر یقین کر لیا جاتا ہے یہی ایمان ہے۔ ڈارون تو صانع کا قائل نہیں تھا اس لئے ایسی بعید اور بیہودہ تاویلیں کرتا تھا۔ مگر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ صانع کو مانتے ہیں اور پھر ایسی مہمل تاویلوں سے قرآن پر شبہ کرتے ہیں۔ شاید کوئی یہاں یہ کہے کہ ہم کو تحقیقات جدیدہ سے قرآن پر شبہ اس سے ہوتا ہے کہ حکماء کا مشاہدہ ہے اور اسی بنا پر ہم کو قرآن پر شبہ ہے کہ مشاہدہ کے خلاف کیوں ہے۔ یہ پہلے سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات ہے۔

یہ مشاہدہ نہیں ہے

میں کہتا ہوں کہ آپ تو مشاہدہ کی حقیقت کو ہی نہیں جانتے، میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ مادہ خود بخود متحرک ہو کر اس سے ایک صورت پیدا ہو گئی۔ پھر شمس و کوکب ہوئے۔ نباتات ہو گئی، اور نباتات سے حیوانات، اور حیوانات میں ایک خاص نوع بندر بھی تھی، پھر بندر یکایک جست کر کے انسان ہو گیا۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ خود ان مقرین بالقردیۃ کو بھی بندر نہ بننے دیں آدمی ہی بنائیں۔ یہی مشاہدات ان ہی ڈھکوسلوں اور مہمل اور وہمی باتوں کو مشاہدات قرار دے کر خدا اور رسول پر شبہات اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کیا یہ مشاہدات ہے کہ آفتاب کو سکون ہے زمین کو حرکت ہے۔ خیر ہمیں اس سے

بحث نہیں کہ کس کو سکون ہے اور کس کو حرکت، کیونکہ یہ قرآن کے مخالف نہیں۔ مگر سوچ لو کہ اتنا بڑا دعوی کس بنا پر ہے دلیل کچھ بھی نہیں۔ مگر ہم کہیں گے کہ الشمس تجری چونکہ قرآن میں وارد ہوا ہے۔ اسلئے آفتاب کو ساکن محض ماننے سے گنہ گار ہوں گے زمین کو چاہے آپ ساکن نہ مانئے متحرک محض مانئے مگر آفتاب کو بھی متحرک ماننا پڑے گا۔

زمین کی حرکت کا مسئلہ

شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ الخ سے تو زمین کا سکون ثابت ہوتا ہے پھر یہ کہتے ہو کہ حرکتِ ارض کا ماننا قرآن کے خلاف نہیں۔ جواب یہ ہے کہ اس سے نفیِ حرکتِ اضطراریہ مراد ہے۔ غیر اضطرابیہ کی نفی مراد نہیں۔ غرض اس کی آپ کو اجازت ہے کہ زمین کو اگر جی چاہے متحرک مانیں، کچھ حرج نہیں۔ اسی طرح اس کی خبر دی گئی ہے کہ آسمان موجود ہے۔ یہ کون سے مشاہدہ کے خلاف ہے گو اس نظام طلوع وغروب کے لئے سموات کی ضرورت نہ ہو۔ لیکن نظام خاص میں ضرورت نہ ہونا نفی کی تو دلیل نہیں ہو سکتی۔ آسمان دوسری مستقلہ دلیل سے ثابت ہے اس کی نفی کرنا جائز نہیں۔ یہ کس مشاہدہ سے ثابت ہے کہ آسمان نہیں ہے بلکہ ہم آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے اس نیلگوں صورت کو حد نظر مان کر آسمان کی نفی کا ہمیں جواب سکھا دیا کیونکہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں آیا کہ یہ نیلا نیلا جو نظر آتا ہے یہی آسمان ہے پس اگر آپ کہیں گے کہ اگر آسمان کوئی چیز ہے تو نظر کیوں نہیں آتا ہم یہ کہیں گے کہ نظر اس لئے نہیں آتا کہ آپ نے اسی سقفِ نیلی کو حد نظر مان لیا ہے۔ پس جب یہ حد نظر ہے تو آسمان اس کے آگے ہے اور چونکہ نظر کی یہاں تک انتہا ہو جاتی ہے اسلئے آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ اب آپ کو آسمان کے نفی کرنے کی بالکل گنجائش نہیں رہی کہ ہم حکماء کے قول پر قرآن کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ مشاہدہ کی بنا پر۔

آفتاب کا طلوع وغروب ہونا

جس کی مثال میں یہ پیش کیا کرتے ہیں کہ مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ غروب کے وقت آفتاب زمین کے اندر نہیں جاتا۔ اور قرآن مجید میں سکندر ذوالقرنین

کے قصہ میں مذکور ہے کہ آفتاب کو کیچڑ اور دلدل میں غروب ہوتے پایا۔ بھلا دیکھو کتنا مشاہدہ کے خلاف ہے۔ آفتاب ایک جرم عظیم ہے زمین سے کتنا ہی حصہ بڑا ہے کہیں زمین کی دلدل اور کیچڑ میں غروب ہوسکتا ہے لیکن اگر عقل ہوگی تو اس میں جواب نظر آئے گا، یعنی قرآن مجید میں وَجَدَہَا الخ وارد ہوا ہے۔ یعنی اس کو بادی النظر میں ایسا پایا یعنی اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کیچڑ میں دھنس رہا ہے یہ نہیں فرمایا، غَرَبَتْ فِیْ حَمِئَۃٍ جہاز پر سوار ہوکر دیکھتے تو معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب سمندر میں سے نکلتا ہے اور اسی میں ڈوب رہا ہے اسی طور پر ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں آفتاب کے طلوع وغروب کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین ہی سے نکلا زمین ہی میں گھس گیا۔ پھر مشاہدہ کے خلاف کیا ہوا۔ اب فرمائیے مشاہدے سے کہاں تعرض ہے۔ کہیں بھی نہیں۔ پھر افسوس ہے کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور قرآن اگر فیثاغورث کے قول کے مخالف ہو تو قرآن پر خلاف مشاہدہ کا شبہ کرتے ہیں۔ فیثاغورث کے قول پر خلاف واقعہ ہونے کا شبہ نہیں ہوتا۔ اسلام کی عظمت قلوب سے جاتی رہی۔ غرض یہ ہے کہ نئے مذاق میں یہ خرابی پیدا ہوگئی ہے کہ سائنس والے جو کہدیں اس پر تو آمنا وصدقنا اور قرآن پر شبہات۔ (الوقت ص۱۲۷)

(۲) آدمی علم دین پڑھ کر کم عقل نہیں ہوتا ہے

فرمایا میں اکثر وعظ میں بیان کیا کرتا ہوں کہ فی زمانہ جو اہل علم کم عقل مشہور ہیں۔ اور ان کو دیکھ کر علم دین پڑھانے میں یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ عربی پڑھ کر آدمی بیوقوف ہوجاتا ہے۔ یہ عذر کرنیوالے ذرا غور تو کریں کہ یہ بیوقوفی انہیں کی نامعقول تجویز کا ثمرہ ہے۔ کسی چیز کے پڑھنے سے عقل نہیں بڑھا کرتی ہے۔ ہاں علم بڑھتا ہے عقل ایک فطری شئی ہے۔ اب اہل علم کے بیوقوف ہونے کی وجہ ذرا ملاحظہ فرمائیے عادت یوں ہوگئی ہے کہ سب اولاد میں جو بیوقوف گنجا اندھا لنجا یعنی جس میں سب عیب ہوں اور جو کسی طرح انگریزی میں کام نہ دے سکے جس کو انگریزی والے درجہ میں بھی نہ گھسنے دیں اس کے واسطے عربی تجویز کی جاتی ہے۔

کہ اس کو ملّا بنائیں گے اب وہ احمق نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ اور جو اولاد تیز ذہن ذکی ہے، وہ انگریزی کے واسطے چھانٹ جاتی ہے۔ آپ ہی تو احمقوں اور بیوقوفوں کے لئے عربی تجویز کرتے ہیں اور آپ ہی کہتے ہیں کہ عربی پڑھ کر بیوقوف ہوگیا یہ بیوقوفی انہیں نامعقول تجویزوں کا ثمرہ ہے اور اگر ایسا شخص مقتدائے دین ہوگیا تو طرح طرح کی خرابیوں کا اندیشہ اس سے ہے۔ اور اگر کہیں ایسا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی نے اپنے تیز ذہن لڑکے کے واسطے ہی عربی تجویز کی اور پھر بھی اس سے کوئی فساد ظاہر ہوا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اول درجہ کے طماع ہیں تو وہ بھی بیوقوفی میں داخل ہے کیونکہ طمع بھی تو حماقت ہے بلکہ طمع رأس الحماقت ہے۔

پس عربی پڑھنے کے واسطے دو چیزیں اگر ہوں تو اس کا مزہ معلوم ہو۔ اول ذہن ذکاوت، عقل کی تیزی۔ دوم چشم سیری، استغناء پھر دیکھو اہل علم کیسے عقل مند ہوتے ہیں۔ انہیں بیوقوف کہنا اپنی حماقت کا اظہار ہے۔

(مقالات حکمت حصہ ہشتم، دعوات عبدیت ملفوظ نمبر۶)

(۳) قرآن پڑھنے سے فائدہ ہے اگرچہ معنی نہ سمجھتا ہو

بات یہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے میں جو فائدہ ہے اس سے یہ لوگ واقف نہیں اگر فائدے سے واقف ہوجاتے تو اسکے لئے کوشش کرتے جیسا کہ تجارت کرنیوالے ایک مقام سے دوسرے مقام پر جاکر مال تجارت لاتے ہیں، اور اس میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتے ہیں، کیونکہ اس کے نفع سے واقف ہیں کہ ایک روپئے کے دو ہوجائیں گے۔ دنیا کے کاموں میں تو لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کسی تجربہ کار سے معلوم کرلیا کہ فلاں چیز کی تجارت میں بہت نفع ہے تو اس کے قول پر اعتماد کرکے وہ تجارت شروع کردیتے ہیں اور اگر ایک دو بار نقصان بھی ہوجائے تو ہمت نہیں ہارتے۔ بلکہ وہی کام کرتے ہیں۔ چنانچہ آم والوں کو بعض دفعہ خسارہ بھی ہوتا ہے مگر خسارہ والا پھر بھی کام کرتا ہے اور اگر خسارہ نہ بھی ہو بلکہ برابر معاملہ رہتا ہو کہ نہ نفع ہے نہ نقصان، جب تو اس تجارت کو

چھوڑ کر ہی نہیں سکتے اور یوں کہتے ہیں کہ تجارت میں یہ بھی ایک قسم کی کامیابی ہے کہ نقصان نہ ہو۔ دوسرے اب نفع نہیں ہوا تو آئندہ امید ہے۔ بلکہ خسارہ ہو تب بھی ایک امید نفع کو نفع سمجھا جاتا ہے۔ مگر افسوس دین میں معلوم نہیں یہ اصول کہاں گئے۔ صاحبو! کیا حیرت نہیں کہ دنیا کے کاروبار میں تو نقصان ہونے کو بھی کامیابی سمجھا جاتا ہے اور دین کے کام میں نفع کی تاخیر کو بھی کامیابی نہیں سمجھا جاتا۔ زراعت تجارت، ملازمت سب میں کبھی نفع ہوتا ہے کبھی نہیں۔ اور بعض دفعہ نقصان بھی ہو جاتا ہے مگر ان کو کیونکر چھوڑ دیں وہاں تو تجربہ کاروں کا قول ہے کہ ان کاموں میں فائدہ ہے گو ہمیشہ اکثر ہی ہو، اور گو عاجل نہ ہو مؤخر ہی ہو۔ مگر افسوس کیا خدا اور رسول کا قول ان تجربہ کاروں کے قول سے بھی کم ہو گیا جو صاف صاف قرآن کے منافع بیان کر چکے ہیں پھر وہ بھی ہر حالت میں خواہ سمجھ کر پڑھو یا بدوں سمجھے پڑھو۔

ایک شبہ کا جواب

اور میں واللہ کہتا ہوں کہ جو لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ ہم سمجھتے نہیں تو قرآن کے پڑھنے سے کیا فائدہ، یہ محض حظ نفس کے بندے ہیں۔ ان کو عقل سے ذرا مس نہیں گو دعویٰ بہت کرتے ہیں اگر یہ عقل کے بندے ہوتے تو ایسی بے عقلی کی بات نہ کہتے کیونکہ عقلی قواعد میں یہ نہیں ہوتا کہ ایک دلیل سے ضد شئ اور عین شئ دونوں پر استدلال ہو سکے۔ اگر شبہ عقلی ہوتا کہ جب معانی نہ سمجھے تو الفاظ سے کیا فائدہ، تو بتلائیے اس قاعدہ عقلیہ سے کیا ثابت ہوتا آیا یہ کہ الفاظ کو چھوڑ دیا یہ کہ محض الفاظ پر اکتفاء نہ کرو بلکہ معانی بھی حاصل کرو۔ ظاہر ہے کہ اس کی الفاظ کے چھوڑنے پر دلالت نہیں۔ کیونکہ جب معانی کی ضرورت اس قاعدہ میں مسلم ہے اور معانی الفاظ کے تابع ہیں۔ اور ضروری کا موقوف علیہ ضروری ہوتا ہے تو اس سے تو خود علم الفاظ کی ضرورت پر دلالت ہو رہی ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ ہاں ہم الفاظ کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں مگر ان کو اس وقت حاصل کرنا چاہئے جب کہ معانی کی فہم بھی ساتھ ساتھ حاصل ہو سکے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آپ کی یہ تاویل اس وقت چل سکتی تھی جب کہ ہم دیکھتے کہ تم اپنے بچوں کو بچپن میں تو قرآن نہ پڑھاتے کیونکہ اس وقت سمجھیں گے نہیں بلکہ بڑے ہو کر بڑھاپے کے وقت سمجھیں گے۔ مگر تمہاری حالت تو یہ ہے کہ تم نہ بچپن میں

پڑھاتے ہو نہ جوانی میں، تو معلوم ہوا کہ تم اس قاعدہ سے علی الاطلاق خود عدم ضرورت الفاظ پر بھی استدلال کرنا چاہتے ہو اور یہ وہی بات ہے کہ دلیل سے ضد شئ پر استدلال کیا گیا ہے حالانکہ وہ عین شئ کو بھی مثبت ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ عقلیہ نہیں ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اس کا منشا محض نفس پرستی ہے ان لوگوں نے اس قضیہ کو غرض نفس کا ایک بہانہ بنا لیا ہے اور دل میں ان کے یہ ہے کہ نہ قرآن کے الفاظ کی ضرورت ہے نہ معانی کی، گو زبان سے معانی کی ضرورت ظاہر کرتے ہیں مگر ان کا عمل بتلاتا ہے کہ وہ کسی کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے ورنہ کسی وقت تو قرآن کو معانی ہی کے ساتھ حاصل کرتے، اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دلاتے۔ جب عمل یہ ہے تو اب زبان سے معانی کی اہمیت ظاہر کرنا مخلوق کو دھوکہ دینا ہے۔ مگر خدا کو کس طرح دھوکہ دے لوگے جو علیم بذات الصدور ہے، وہ تو تمہارے دل کی حالت خوب جانتا ہے کہ تم خود قرآن کی تعلیم ہی کو مطلقاً بے فائدہ سمجھتے ہو خواہ محض الفاظ ہوں یا معانی کے ساتھ ہوں ؎

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام — در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
کارہا با خلق آری جملہ راست — با خدا تزویر و حیلہ کے رواست
کارہا او راست باید داشتن — رایت اخلاص و صدق افراشتن

خدا کے ساتھ دھوکہ نہیں چل سکتا، عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز باز خواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارا آب حرام شیخ کے نان حلال سے قیامت میں بڑھ نہ جائے، کیونکہ وہ مخلوق دھوکہ دینے کے لئے تقویٰ اور بزرگی کی صورت بناتا ہے اور ہم اپنے کو قصور وار سمجھ کر گناہ میں مبتلا ہیں اور خدا کے یہاں دھوکہ چل نہیں سکتا۔ اسلئے اندیشہ ہے کہ کہیں ریا کار مشائخ کا تقویٰ ہماری زندگی سے گھٹ نہ جائے۔

عام مسلمان بہتر ہیں

اسی طرح میں کہتا ہوں کہ فاسق مسلمان جو اپنے کو گنہ گار سمجھتا ہے ان مہذب لوگوں سے اچھے رہیں گے جو عقائد اسلام میں شبہات نکالتے ہیں اور عقل سے شریعت کا

مقابلہ کرتے ہیں چونکہ یہ لوگ ظاہر میں مسلمان ہیں اس لئے زبان سے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن پڑھنے کو مطلقاً ہمارا جی نہیں چاہتا ورنہ کفر کا فتویٰ لگ جائے گا اسلئے یہ قاعدہ غرض نفس کے موافق گھڑ لیا کہ جب معانی نہیں سمجھتے تو الفاظ سے کیا نفع اس کا جواب بس یہی ہے کہ بہت اچھا آپ اپنے بچوں کو معانی ہی کے ساتھ قرآن پڑھائیے اور ان کو ابتدا ہی سے عربی کی تعلیم صرف ونحو کی تعلیم دیجئے مگر اس سے تو اور بھی خون خشک ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ تو الفاظ کو ٹال کر معانی سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے یہ ایسی الٹی پڑ گئی کہ صرف ونحو بھی گلے پڑ گئی مگر جو شخص الفاظ کو بدون معنیٰ کے بے فائدہ کہے، اور صرف معانی ہی کی ضرورت کا قائل ہو اس کو یقیناً ضروری کی تحصیل پر مجبور کیا جائے گا۔ صاحبو! ظاہر میں یہ قضیہ کہ بدون سمجھے الفاظ سے کیا فائدہ پرمغز معلوم ہوتا ہے۔ مگر در اصل ان لوگوں نے مغز اسلام نکال دیا ہے ان میں سے بعض نے تحصیل معانی کی بھی کوشش کی مگر وہ اس کا مصداق تھی ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ✲ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

انہوں نے معانی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ترجمۂ قرآن کا مطالعہ کر لیا، مگر یہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی خوان نعمت سے گلگلے پکانا سیکھے کیونکہ اس میں سب کھانوں کی ترکیب لکھدی ہے مگر اس سے آٹا گوندھنے کا طریقہ اور پانی کھپانے کی ترکیب اور آنچ کا انداز کیسے معلوم ہوگا۔ نیز اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک صاحب نے ضاد کے بارہ میں مجھ سے تحریراً سوال کیا تھا کہ ضاد کا مخرج کہاں سے ہے اور اس میں اور ظا میں فرق کیونکر ہوتا ہے میں نے لکھ دیا کہ یہ بات خط سے نہیں معلوم ہو سکتی۔ کیونکہ ؎

گر مصور صورتِ آں داستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

اس کو کسی ماہر تجوید سے زبانی سن کر سمجھ سکتے ہو تو حضرت بعض باتیں ایسی ہیں جو مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کے لئے استاد کی ضرورت ہے کیونکہ بعض باتیں سینہ بسینہ ہوتی ہیں اور اس میں کچھ تصوف اور سلوک ہی

کی خصوصیت نہیں بلکہ ہر علم میں ایک بات ایسی ہوتی ہے جو سینہ بسینہ ہے کہ صرف استاذ سے حاصل ہوتی ہے، ؎

خوبی ہمیں کرشمہ وناز وخرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست

قرآن کا سمجھنا

پھر قرآن ہی اتنا سستا کیوں ہو گیا کہ اس کا مطلب بدون استاذ کے سمجھ میں آجائے گا۔ آج کل تعزیرات ہند کا ترجمہ اردو میں ہو گیا ہے ذرا کوئی اس ترجمہ کو دیکھ کر مطلب صحیح تو بیان کر دے یقیناً بہت جگہ غلطی کرے گا۔ اسی طرح کیمیا کی کتابیں اردو میں ہو گئی ہیں کوئی ان کو دیکھ کر کیمیا تو بنا لے، کبھی نہیں بنا سکتا۔ پس معانی قرآن کے حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ ترجمہ دیکھ لیا جائے۔ ترجمہ قرآن اگر دیکھو تو صرف ونحو اور قدرے فقہ کے بعد دیکھو اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اردو ترجمہ کسی عالم سے تو سبقاً سبقاً پڑھ لو۔ سو ایک جماعت تو یہ تھی کہ جس کے عقائد تعلیم جدید کی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں اور ایک جماعت عوام کی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ تو نہیں کہ بدون معانی کے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ مگر اس کا اثر لئے ہوئے ہیں کہ قرآن کے پڑھنے میں کوشش نہیں کرتے۔ سو یہ لوگ دوسرے رنگ میں اس غلطی میں مبتلا ہیں اس لئے اس وقت میں اس غلطی کو رفع کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اول "الٓرٰ" فرمایا ہے یہ تو حروف مقطعات ہیں، جن کے معنیٰ ہم کو معلوم نہیں گو بقول محققین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھے۔ لیکن امت نہیں بتلائے گئے مگر میں ان سے بھی اپنے مقصود میں کام لوں گا۔ سامعین کو تعجب ہوگا کہ جب معنیٰ ہی معلوم نہیں تو اس سے مضمون کو کس طرح ثابت کیا جائے گا لیکن یہ تعجب میری تقریر کے بعد مرتفع ہو جائے گا۔ ابھی میں آیت کا ترجمہ بیان کر دوں اس کے بعد ان حروف سے ثابت کر دوں گا تو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ، یہ آیات کتاب اور قرآن مبین کی ہیں۔ یہی ترجمہ دوسری آیات کا ہے صرف کتاب وقرآن کا تقدیم وتاخیر میں فرق ہے تو اس جگہ آیات کے دو لقب بیان کئے گئے ہیں، ایک قرآن دوسرے کتاب قرآن کے معنیٰ ہیں مایقرأ یعنی پڑھنے کی چیز، اور کتاب کے معنیٰ ہیں مایکتب یعنی لکھنے کی چیز اور ظاہر ہے کہ پڑھنے اور لکھنے کی چیز کیا ہے؟ الفاظ ہی تو ہیں۔ معانی کو کون پڑھ سکتا ہے

یا کون لکھ سکتا ہے۔ اور ایک مضمون ابھی ذہن میں آیا ہے جو شروع میں نہ آیا تھا۔ اب تک تو ذہن میں یہ بات تھی کہ الفاظ ہی پڑھنے لکھنے کی چیز ہیں، معانی کچھ پڑھ لکھ نہیں سکتے اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ نحویین نے کہا ہے کہ ضَرَبَ میں ھُوَ مستتر ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ظاہر میں ضمیر مذکور نہیں سمجھنے میں آتی ہے۔ مگر ایک طالب علم یہ سمجھے کہ ضرب کے اندر ضمیر ھُو چھپی ہوئی بیٹھی ہے تو آپ نے ضرب کو چھیلنا شروع کیا یہاں تک کہ کاغذ پھٹ گیا اور اتفاق سے دوسرے ورق میں اس جگہ ھُو لکھا ہوا تھا یہ بڑے خوش ہوئے کہ واقعی استاذ نے ٹھیک کہا تھا کہ اس کے اندر ھُو پوشیدہ ہے دیکھو چھیلنے سے نکل آیا پھر دوڑے استاذ کے پاس آئے کہ دیکھئے میں نے ضرب کو چھیلا تھا یہ ھُو نکل آیا جو اس میں چھپا ہوا تھا اور اس کا مطلب دوبارہ سمجھایا۔ غرض یہ طالب علم یوں سمجھا تھا کہ معانی بھی کتابت میں آسکتے ہیں مگر یہ اس کی غلطی ہے۔ معانی قرأت و کتابت میں نہیں آسکتے ان کا محل صرف ذہن ہے۔ لوگ بے تار کی خبر پر تعجب کرتے ہیں۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اس کو پہلے سے پیدا کر رکھا ہے کیونکہ الفاظ سے معانی کا سمجھنا یہ بے تار کی ہی خبر ہے کیونکہ معانی کا مرکز قلب ہے اور جہاں الفاظ کسی کی زبان سے نکلے۔ معًا وہاں معانی سمجھے گئے غرض ان آیتوں میں اشارہ کیا بلکہ صراحت ہے کہ قرآن کے ساتھ پڑھنے کا تعلق رکھو کیونکہ لفظ قرآن کے معنیٰ یہی ہیں اور ظاہر ہے کہ قرأت الفاظ ہی کی ہوتی ہے نہ کہ معانی کی۔ دوسری صفت اس جگہ کتاب ہے جس کے معنیٰ لکھنے کی چیز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ قرآن کے ساتھ قرأت کے علاوہ ضبط و کتابت کا بھی تعلق رکھنا چاہیئے سو اب تک تو صرف یہی بات ذہن میں تھی اور دوسری بات جو اسی وقت ذہن میں آئی وہ یہ ہے کہ کتابت کا مصداق حقیقتًا نہ الفاظ ہیں نہ معانی کیونکہ الفاظ تو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان کا محل زبان ہے لفظ کے معنیٰ لغت میں پھینکنے کے ہیں چونکہ الفاظ زبان سے پھینکے جاتے ہیں یعنی نکالے جاتے ہیں اس لئے ان کو الفاظ کہا جاتا ہے۔ اور معانی کا محل صرف ذہن ہے وہ تو کتابت کا مصداق کسی طرح ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مصداق دوسری چیز ہے یعنی نقوش جن کو عوام کرم کانٹے کہتے ہیں کیونکہ اَن پڑھ آدمی لکھا ہوا پڑھ نہیں سکتا نہ سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے وہ ان کو کرم کانٹے کہتے ہیں مگر کتاب کا مصداق مطلق نقوش نہیں بلکہ

وضعی نقوش ہیں جیسا کہ الفاظ کی دلالت معانی پر وضعی ہے اسلئے پڑھے ہوئے آدمی ان کو سمجھتے ہیں ان پڑھ نہیں سمجھتے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ کتاب کا حقیقی مصداق نقوش ہیں تو آپ تو الفاظ ہی کو غیر مقصود بتلاتے تھے اور قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ نقوش قرآن بھی قابل حفاظت و مستحق تعظیم ہیں یہ تو الٹی پڑی کہہ گئے تھے، نماز بخشوانے روزے بھی گلے پڑ گئے۔ مگر صاحبو! یہ گلے نہیں پڑے۔ کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ کسی شخص کو اشرفیاں اور جواہرات دے کر اس سے کہے کہ اس کو حفاظت سے رکھو، قفل اور تالا لگاؤ اگر اس شخص کو روپئے اور جواہرات کی قدر معلوم ہے تو اس حکم کی قدر کرے گا اور کہے گا ؎

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا باجانِ جاں ہمراز کردی

اور جس کو روپئے کی قدر نہ ہوگی وہ کہے گا کہ یہ اچھی بلا میرے سر پڑی کہ حفاظت کرو اور قفل لگاؤ اسی طرح جو لوگ معانی کی قدر کرتے ہیں، وہ ان الفاظ و نقوش کی بھی قدر کریں گے کیونکہ یہ ان ہی کی حفاظت کا سامان ہے اور جو قدر نہیں کرتے وہ اس کو سر پڑی بلا سمجھیں گے پس معلوم ہوا کہ نو تعلیم یافتہ الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بے فائدہ سمجھتے ہیں در حقیقت وہ معنیٰ قرآن کی قدر نہیں کرتے ورنہ اس کی حفاظت کے ہر سامان کی ان کو قدر ہوتی۔

قرآن کا معجزہ

صاحبو! الفاظ قرآن کو اس کی حفاظت میں بڑا دخل ہے کیونکہ الفاظ قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ وہ نہایت سہولت سے حفظ ہو جاتے ہیں کہ اگر خدا نہ خواستہ خدانخواستہ یہ لکھے ہوئے مصاحف گم ہو جائیں تو ایک بچہ حافظ قرآن اپنی یاد سے اس کو دوبارہ لکھوا سکتا ہے۔ بڑوں کا تو ذکر ہی کیا۔ مظفر نگر کا واقعہ ہے کہ وہاں ایک واعظ نے قرآن کے اس معجزہ کو ظاہر کرنا چاہا تو درمیان وعظ میں ایک آیت پڑھ کر اٹک گئے اور مجمع کو خطاب کر کے کہا کہ اس مجمع میں جس قدر حافظ موجود ہوں چھوٹے بڑے سب کھڑے ہو جائیں مجھے ایک آیت میں شبہ ہو گیا ہے۔ اس کو حل کرنا چاہتا ہوں تو چاروں طرف سے بہت آدمی کھڑے ہو گئے جس میں بچے بھی تھے جوان بھی اور بوڑھے بھی تھے اور ادھیڑ

بھی۔ یہ دیکھ کر واعظ نے کہا، الحمد للہ، صاجبو! مجھ کو آیت میں شبہ نہیں [illegible] تھا مجھے صرف یہ دکھلانا تھا کہ اس مجمع میں جس کے اندر حفاظ کو بالقصد جمع نہیں کیا گیا۔ یوں ہی کیف ما اتفق یہ سب مجمع آ گیا ہے اس قدر حفاظ قرآن موجود ہیں۔ اب قیاس کرو کہ سارے شہر میں کتنے حفاظ ہوں گے پھر یہ اندازہ کرو کہ پورے ضلع میں کتنے ہوں گے پھر سوچو سارے ہندوستان میں کتنے ہوں گے اور دنیا بھر میں کتنے ہونگے صاجبو! یہ قرآن کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ اس زمانے میں جب کہ قرآن کی طرف رغبت کا کوئی سامان نہیں نہ اس کے حفظ کرنے والوں کو کوئی بڑا عہدہ ملتا ہے بلکہ زیادہ تر امراء کی توجہ انگریزی پڑھنے کی طرف ہے اور کفار قرآن مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس قدر حفاظ موجود ہیں کہ بچے بھی حافظ ہیں اور مرد بھی، اور بعض قصبات میں عورتیں بھی حافظ ہیں۔ چنانچہ قصبہ پانی پت میں بہت عورتیں حافظ ہیں۔ اور بعض تو سبعہ قرآت کی حافظ ہیں۔

قرآن کے یاد کرنے کو بیکار کہنے والے

صاجبو! میں نہایت آزادی سے صاف صاف کہوں گا کہ جو لوگ بدوں معانی سمجھے الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بیکار کہتے ہیں وا للہ وہ حضرات حق تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو قرآن کے حافظ پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ محفوظ رہے، اور یہ لوگ دنیا سے حفظ قرآن کو مٹانا چاہتے ہیں، کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ حفظ قرآن بچپن ہی میں اچھا ہوتا ہے بڑے ہو کر ویسا حفظ نہیں ہوتا تو اب اگر ان لوگوں کے مشورہ پر بچوں کو قرآن نہ پڑھایا جائے تو اس کا انجام یہی ہے کہ حفظ کا دروازہ بند ہو جائے مگر يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ یہ خدا کے نور کو مٹانا چاہتے ہیں بخدا یہ خود ہی مٹ جائیں گے، اور خدا کا نور ان کے مٹانے سے ہرگز نہ مٹے گا یہ لوگ اپنے ایمان کی خیر منائیں یہ ہیں کس ہوا میں خدا کی قسم ان کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔ یہ بالکل تباہ و برباد ہو جائیں گے ؎

؎ چراغ را کہ ایزد بر فروزد
ہر آنکو تف زند ریشش بسوزد۔

اور ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

اس عارف نے یہ بات اہل اللہ کے انوار کے متعلق فرمائی ہے تو جب اہل اللہ کے انوار کسی کے مٹانے سے نہیں مٹ سکتے تو خود اللہ کا نور کس طرح مٹ سکتا ہے بعض اہل اللہ پر ظالموں نے ستم کیا اور ان کو ذلیل کرنا چاہا ان کی قبر پر گوہ ڈلوایا مگر ان کا نام اور ان کے انوار اب تک تاباں و درخشاں ہیں اور وہ ظالم گمنام اور ناپید ہو گئے، کوئی ان کے نام سے بھی واقف نہیں نہ ان کی قبر کا نشان باقی ہے اور اہل اللہ کے مزارات اس وقت تک مرجع الخلائق بنے ہوئے ہیں۔ دوسرے یہ مشاہد ہے کہ اہل اللہ اپنے کو خود مٹانا ناپید کرنا گمنام کرنا چاہتے ہیں، اور اہل ظاہر اپنے کو ظاہر کرنا مشہور کرنا چاہتے ہیں مگر اہل اللہ یعنی اہل باطن ہی چمکتے ہیں اور اہل ظاہر کی شہرت چند روزہ ہو کر خاک میں مل جاتی ہے۔ بعض مصنفین نے اپنے کتابوں کے نام تک ظاہر نہیں کیا مگر کتابیں ان کی مقبول و متداول ہیں اور اہل ظاہر بڑے اہتمام سے اپنا نام ظاہر کرتے ہیں مگر ان کی کتابوں کو کوئی بھی نہیں پوچھتا۔

اللہ کا نور مٹ نہیں سکتا ہے

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جب اہل اللہ کے انوار کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتے تو خود اللہ تعالیٰ کا نور کیوں کر مٹ سکتا ہے بس یہ خدا کی حفاظت ہے کہ قرآن کے اس قدر حفاظ ہر زمانے میں ہوتے رہے ہیں کہ ان کا شمار و احصار دشوار ہے اس پر بعض لوگ یوں کہہ دیا کرتے ہیں کہ خدا قرآن کا حافظ نگہباں ہے تو ہمیں اس کے اہتمام کی کیا ضرورت ہے۔ اے صاجبو! یہ بات ایسے دل سے نکلی ہے جس میں خدا سے ذرا بھی علاقہ اور لگاؤ نہیں کیا؟ اگر جارج پنجم آپ کو کوئی تحفہ دیں آپ اس کی بے قدری کر سکتے ہیں اور خصوصاً ان کی نگاہ کے سامنے ہرگز نہیں، بلکہ اس کو سر اور آنکھوں پر رکھا جائے گا اور اس کی جان سے زیادہ حفاظت کی جائے گی، اور اگر وہ کوئی تحفہ کھانے کیواسطے آپ کو دیں اور ان کے سامنے آپ اسے کھائیں تو کیا زمین پر آپ اس کا کوئی ریزہ گرنے دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس طرح شوق سے کھائیں گے کہ گویا کبھی یہ نعمت آپ کو ملی ہی نہیں تھی، اور اگر اس میں سے

ذرا سا بھی زمین پر گریگا تو فوراً اٹھا کر سر پر رکھیں گے ۔

قرآن کی حفاظت

یہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی حقیقت سمجھ لو کہ اگر کھانا کھاتے ہوئے لقمہ زمین پر گر جائے تو اسکو اٹھا کر صاف کر کے کھالو کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں تو انکی نعمت کی ان کے سامنے بے قدری کرنا بڑی بے حیائی ہے، تو صاحبو! خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں میں قرآن دیدیا ہے تو اب تو یہ آپ کا ہو گیا تو کیا اپنی ایسی قیمتی چیز کی جو سلطان السلاطین کے دربار سے ملی ہے آپ کو حفاظت نہ کرنا چاہیئے یقیناً کرنا چاہیئے خصوصاً جب کہ خدا کی مرضی اس کی حفاظت میں ہے اور وہ اس کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو بھی مرضیٔ حق پر چلنا چاہیئے اس کی حقیقت اولیاء اللہ سے پوچھو ۔

اسباب محبت

صاحبو! محبت کا سبب کمال وجمال ونوال ہے اور یہ سب باتیں حق تعالیٰ شانہ کے اندر کامل طور پر موجود ہیں ان سے بھی اگر محبت نہ ہو تو پھر کس سے ہوگی ۔ خبر بھی ہے حق تعالیٰ کون ہیں تمام حسن وجمال کا مبدأ ومنتہا ہیں تو جب خدا تعالیٰ ایسے محبوب ہیں تو ہم کو انکی مرضی کی رعایت کرنا چاہیئے اور خدا تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ قرآن محفوظ رہے تو آپ کو اس کی طرف جھکنا چاہیئے اور اس کے الفاظ کا پورا اہتمام کرنا چاہیئے، کیونکہ الفاظ ومعانی دونوں قابل اہتمام ہیں مگر الفاظ میں اتنی بات زیادہ ہے کہ معانی کی حفاظت الفاظ کی حفاظت پر موقوف ہے کیونکہ معانی کا ضبط بدون الفاظ کے نہیں ہو سکتا ۔

الفاظ قرآن کی حفاظت کا اہتمام

دیکھئے سب سے پہلے معانی کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا ہے مگر وہاں بھی بواسطہ الفاظ کے ہوا ہے اور حضور کو الفاظ کا اس قدر اہتمام تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تو آپ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حافظہ بہت قوی تھا بلکہ سارے ہی قویٰ مضبوط تھے ۔ کہ تریسٹھ سال کی عمر میں بھی آپ کے بال کچھ ہی سفید ہوئے تھے ۔ اور حضور کی قوت کا کیا پوچھنا ۔ آج کل سے تو اس زمانے کے سب ہی لوگ قوی

تھے حضرات صحابہ کا حافظہ بھی ہم لوگوں سے زیادہ قوی تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو سب ہی سے زیادہ قوی تھا، لیکن بایں ہمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو الفاظ قرآن کا اس درجہ اہتمام تھا کہ فرشتہ کے ساتھ قرآن پڑھتے جاتے تھے ۔ کیونکہ ؎

؎ با سایہ ترا نمی پسندم ۔۔۔ عشق است و ہزار بدگمانی

آپ کو ان محبوب الفاظ کے نکلنے کا اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی لفظ میری یاد سے نکل نہ جائے اس لئے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے ۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ قرآن سے کس درجہ عشق تھا یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے منع کرنے کی نوبت آئی کہ آپ ساتھ ساتھ پڑھنے کی مشقت برداشت نہ کیا کریں، لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ہم ذمہ لیتے ہیں کہ قرآن کو آپ کے دل پر جمادیں گے، اس تسلی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے ۔ جب حضور کو الفاظ قرآن کا اس درجہ اہتمام تھا تو ہم کو بھی ان کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ بدون الفاظ کے معانی کی حفاظت نہیں ہو سکتی ۔ لہٰذا معانی کی نگہبانی یہی ہے کہ الفاظ کو یاد کیا جائے حضرات سلف صالحین نے تو قرآن کے نقوش اور رسم خط کی بھی یہاں تک حفاظت کی ہے کہ رسم خط قرآن میں مستقل رسائل تصنیف کئے اور اس کو علیحدہ فن قرار دیا ہے اور اس میں تغیر وتبدل کو ناجائز فرمایا ہے ۔

قرآن کے رسم خط کی حفاظت

صاحبو! آج کل تو یادگار قدیم کی اس قدر حفاظت کی جاتی ہے کہ اس کے تغیر کے بعد بھی اس کا فوٹو لیا جاتا ہے تو خدانخواستہ اگر رسم خط قدیم متغیر بھی ہوتا جب بھی یادگار قدیم ہونے کی وجہ سے اس کی حفاظت ضروری تھی چہ جائیکہ وہ بالکل محفوظ صحیح ہے بلکہ اس میں نکات ہیں چنانچہ ایک جگہ بقادر میں الف نہیں لکھا گیا کیونکہ وہاں دوسری قرأت بقدر ہے تو صحابہؓ نے اس جگہ بقادر میں الف نہیں لکھا تا کہ دوسری قرأت پر بھی رسم خط دال رہے ۔ اسی طرح سورہ فاتحہ میں مالک یوم الدین میں الف نہیں لکھا کیونکہ ایک قرأت میں ملک ہے پس رسم خط قرآن میں اس کا بیحد لحاظ کیا گیا ہے کہ سب قرأتوں کو جامع رہے اسلئے اس کا بدلنا حرام ہے ۔

صاحبو! جب قرآن کی ہر چیز کی حفاظت کی گئی ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے بڑا فخر ہے

ہے کہ ان کے برابر کسی قوم اور کسی امت نے آسمانی کتاب کی حفاظت نہیں کی۔ تو آپ کو بھی اس کی ہر چیز کی ویسی ہی حفاظت کرنا چاہیے جیسا کہ اب تک امت نے کی ہے اور یہ مت کہو کہ خدا تو اس کا خود نگہبان ہے پھر ہم کو کیا ضرورت ہے کیونکہ اس کی محافظت کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ اس نے محافظت کا حکم اپنے بندوں کو دیدیا اور یہ ان کا احسان ہے اور انعام ہے کہ اس نے یہ خدمت ہم سے لی اگر تم یہ کام نہ کر دگے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم سے یہ کام لے لیں گے چاہے چھوڑ کر دیکھ لو، تمہاری تان گاڑی نہیں چل رہی ہے اللہ تعالیٰ کو تو ہمارے پیدا کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی یہ بھی ان کا انعام محض ہے کہ ہم کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا اور پیدا کرنے سے پہلے ملائکہ سے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کہ زمین کے اندر اپنا خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں، کس قدر عنایت ہے کہ ؎

ما نبودیم و تقاضائے ما نبود　　لطف تو ناگفتہ ما می شنود

خلیفۃ اللہ کا خطاب ہمارا پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے ہم کو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیا تو کیا خلافت کا یہی حق ہے جو ہم ادا کر رہے ہیں کہ زبان پر یہ بات آ رہی ہے کہ خدا قرآن کا خود نگہبان ہے ہم کو کیا ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ کی عنایت تو دیکھئے کہ ہم کو ایسی حالت میں خلیفہ بنایا کہ دوسرے لوگ اس منصب کے طالب موجود تھے ملائکہ نے اسی وقت جب کہ اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً فرمایا یہ عرض کیا تھا کہ ہمارے ہوتے ہوئے انسان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ قرآن میں ملائکہ کا یہ سوال اور اس کا جواب مفصل مذکور ہے میں اس وقت اس کی تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتا صرف یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کو ہماری ضرورت نہ تھی بلکہ جس کام کے لئے ہم کو پیدا کیا گیا ہے اس کے انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق اپنی خدمات کو پیش کرنے موجود تھی مگر اللہ تعالیٰ کا یہ ہمارے حال پر غایت کرم ہے کہ دوسری جماعت کے ہوتے ہوئے پھر بھی ہم کو منصب خلافت عطا کیا اور ہم کو اس خدمت کے لئے پیدا کیا اسی طرح خدمت قرآن کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی ہماری کیا ضرورت ہو سکتی ہے اگر ہم خدمت دین میں کوتاہی کریں گے تو دوسری

قوم کو اس کی خدمت کے لئے پیدا کر دیں گے۔

ارشاد خداوندی چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس خیال کا بھی جواب صاف صاف دیا ہے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ اگر تم دین سے اعراض کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے عوض تمہاری جگہ دوسری قوم کو کر دیگا پھر تمہاری طرح سست و کاہل اور دین سے جان چرانے والے نہ ہوں گے، صاحبو! تمہاری تان گاڑی نہیں چل رہی تم آج چھوڑ کر دیکھ لو گاڑی ویسی ہی چلتی رہے گی ہاں تم خود ہی گر پڑو گے اللہ تعالیٰ اس دین کی خدمت اور قرآن کی حفاظت کے لئے ایسی قومیں پیدا کر دیں گے جو تمہاری جیسی نہ ہوں گی۔

بیدار ہو جاؤ ...صاحبو! میں آپ کو خبردار و بیدار کرنا چاہتا ہوں کہ جلدی سنبھلو، کہیں اس وعید کا ظہور نہ ہو جائے کیونکہ مجھے اس کے آثار نظر آ رہے ہیں اس وقت میں ایک خوفناک منظر دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کی تحریریں تو کفر آمیز شائع ہوتی ہیں اور اہل یورپ کی تحریریں اسلام کی مدح میں شائع ہو رہی ہیں گویا بعضے مسلمان کفر کی طرف بڑھ رہے ہیں اور بعض کفار اسلام کی طرف، تو اس حالت کو دیکھ کر مجھ کو سخت اندیشہ ہوتا ہے کہ جب دونوں جماعتیں سرحد پر پہونچ چکی ہوں گی تو ایسا نہ ہو کہ وہ تو کفر سے نکل کر مسلمان ہو جائیں اور یہ اسلام سے نکل کر کافر ہو جائیں۔ صاحبو! دوسری قوموں کو اسلام کی مدح و ثنا کی طرف مائل کر کے ہم کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ یہ مت سمجھنا کہ خدا کو یا اسلام کو تمہاری ضرورت ہے بلکہ تم ہی کو اسلام کی ضرورت ہے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ اگر تم اعراض کرو گے تو ہم تمہاری جگہ دوسری قوم کو کر دیں گے جو اس وقت باوجود کفر کے اسلام کی مدح کر رہی ہے اور تم ان کی جگہ ہو جاؤ گے کہ باوجود مسلم ہونے کے اسلام کی توہین کرتے ہو اور اگر تم اعراض نہ کرو بلکہ بدستور اسلام کی خدمت انجام دیتے رہو اس صورت میں تم بھی مسلمان رہو گے اور شاید دوسری قومیں بھی مسلمان ہو جائیں اور اسلام کی خدمت یا قرآن کی حفاظت جو کچھ آپ کرتے ہیں یہ محض برائے نام ہے جس سے صرف آپ کا نام ہو جاتا ہے ورنہ اب بھی قرآن کے محافظ در اصل حق تعالیٰ ہی ہیں۔

قرآن بعد حفظ ہوتا ہے

تم اپنے حفظ پر کیا ناز کرتے ہو ذرا کافیہ یا کوئی اور نظم و نثر کی کتاب تو حفظ کر لو آپ کو اسی وقت اپنے حفظ کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ ہی کی تو حفاظت ہے کہ قرآن جیسی ضخیم کتاب کا حفظ کرنا ایسا آسان کر دیا ہے کہ بچے تک حفظ کر لیتے ہیں، حالانکہ قرآن میں متشابہات بھی کثرت سے ہیں۔ اس بات پر یہی کہنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا محض نام کرنا مقصود ہے کہ وہ ہم کو حافظان قرآن کی فہرست میں داخل کر کے انعام دیتے ہیں ورنہ اصل حافظ وہی ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں -
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند -

واللہ اس انعام پر جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر فرمایا ہے، یوں کہنا چاہیئے ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل -
نسیم صبح تیری مہربانی !! -

تلاوت قرآن کی برکت

اور عارفین کی نظر تو اس سے بھی آگے بڑھتی ہے، عارفین تو جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کو یہ بات مکشوف ہوتی ہے کہ ہم خود نہیں پڑھ رہے بلکہ ارگن باجے کی طرح بول رہے جس میں میں کسی اور کا کلام بند کر دیا گیا ہے اور باجے سے وہی نکلتا ہے جو اس میں بند کیا گیا ہے مگر ظاہر میں یہ سمجھتا ہے کہ باجہ بول رہا ہے یا اس وقت وہ مثل شجرۂ طور کے ہوتے ہیں کہ ظاہر میں یہ درخت کہہ رہا تھا یَا مُوسٰی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ[1] مگر درخت کی کیا مجال تھی کہ وہ اس طرح خود بولتا بلکہ کوئی دوسرا بول رہا تھا اور درخت محض اس کا ناقل و حاکی تھا ؎

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

---

[1] اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔

ایک عارف اس کو فرماتے ہیں ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند -
آنچہ استاد ازل گفت بگومی گو یم -

عارفین کا حال

عارفین کو جب اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے تو کچھ نہ پوچھئے کہ تلاوت قرآن کے وقت ان کی کیا حالت ہوتی ہے اور تلاوت قرآن میں تو اس حالت کا غلبہ ایک خاص وجہ سے زائد ہوتا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ صاف صاف اپنی شوکت و عظمت و جلال کو ظاہر فرماتے ہیں۔ کہیں عتاب ہے کہیں شکایت ہے کہیں تسلی ہے کہیں بشارت ہے کہیں تکلم ہے، کہیں خطاب ہے، ورنہ ایک تلاوتِ قرآن ہی کیا انسان کے تو سارے ہی افعال ایسے ہیں کہ ان میں انسان محض برائے نام فاعل ہے ورنہ اصل کو کرنے والے وہی ہیں، یہ کیا ناز کرتا ہے اپنے علم و کمال پر کہ میں نے یہ کام کیا ہے میں نے فلاں مسئلہ حل کیا ہے واللہ اس مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص دوسرے کے کھیت پر دعویٰ کرے کہ یہ کھیتی میری ہے مگر ساتھ میں یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ زمین بھی دوسرے کی اور بیج اور بیل بھی دوسرے کا اس نے اس کو پانی دیا کھاد ڈالا، اور کھیت کو پرورش کیا ہے ظاہر ہے کہ ہر شخص اس مدعی کو احمق بنائے گا کہ جب ساری چیز دوسرے کی ہیں تو کھیتی تیری کدھر سے ہوئی۔

قوت و اعضاء انسانی کا اقرار

صاحبو! مگر اس حماقت میں ہم سب مبتلا ہیں کیونکہ جس دماغ اور جن ہاتھ پیروں سے ہم کرتے ہیں ہر ایک کو اقرار ہے کہ یہ سب سامان خدا کا عطا کیا ہوا ہے۔ عقل و فہم اور قوت ارادہ اور قوت عمل بھی انہی کی دی ہوئی ہے۔ اب فرمائیے کہ ان سب قویٰ اور جوارح سے جو افعال و کمالات ظاہر ہوں گے وہ ہمارے کدھر سے ہوں گے ؎

بیاوردم از خانہ چیزے نخست
تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

حیرت ہے اگر ہم اب بھی یہ دعویٰ کریں کہ ہم خود قرآن کی حفاظت کرتے ہیں جب ہمارا پڑھنا اور یاد کرنا ہمارے قبضہ کا نہیں تو ہم حفاظت کرنیوالے کون ہیں بلکہ وہی محافظ ہیں جنہوں نے ہم سے یہ کام لیا اور اس کے اسباب عطا کئے اور حفاظت کا ادھر

سے ہونا بہت ہی ظاہر ہے حقیقت میں تو ہمارا پڑھنا اور تلاوت کرنا بھی ادھر ہی سے ہے اگر ادھر سے توفیق نہ ہو تو کسی کی مجال نہیں، کہ ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے ۔

ایک واقعہ

کانپور کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے جمائی لی تھی اس کے بعد منہ بند نہ ہوا کھلا کا کھلا رہ گیا بڑی مصیبت ہوئی نہ کھانے کا رہا نہ بات کرنے کا، پھر بڑی دقت سے کئی دن میں منہ بند ہوا۔ شاید کوئی کہے کہ دوا دارو سے منہ بند تو ہو گیا، یہ کام تو انسان کی تدبیر سے ہوا، میں کہتا ہوں کہ اس میں بھی تدبیر کا محض نام ہی ہے خدا کو منظور نہ ہوتا تو قیامت تک منہ بند نہ ہو سکتا آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض دفعہ تمام اطباء اور ڈاکٹر عاجز ہو جاتے ہیں اور بیمار کو شفاء نہیں ہوتی بلکہ جوں جوں دوا کرتے ہیں مرض کو ترقی ہی ہوتی ہے اور یہ حال ہوتا ہے کہ ؎

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود — روغن بادام خشکی می نمود ۔

ہر تدبیر الٹا کام کرتی ہے جس دوا کو تریاق سمجھا جاتا ہے وہی زہر کا اثر کرتی ہے اگر شفا طبیبوں، ڈاکٹروں کے قبضہ میں ہے تو ان کی بیوی بچے تو ہمیشہ مرض کے بعد ضرور صحت یاب ہو جایا کریں کیونکہ اس موقعہ پر طبیب و ڈاکٹر کبھی تدبیر میں کمی نہیں کر سکتا مگر مشاہدہ اس کے خلاف ہے پس مجبوراً ماننا پڑے گا کہ ؎

درد از یار است و درماں نیز ہم — دل فدائے او شد و جان نیز ہم
ہرچہ می گویند آں بہتر زحسن — یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

اب تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ قرآن پڑھنا بھی مستقلاً ہمارا کام نہیں، اس کے محافظ تو ہم کیا ہوتے، تو اب یہ محض حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ وہ ہمارا نام ہی کرنا چاہتے ہیں ورنہ دراصل سب تصرفات وہ خود کرتے ہیں اگر اب بھی اس انعام کی طرف رغبت نہ ہو تو سخت محرومی کی علامت ہے، یہ مضمون درمیان میں استطراداً ہو گیا اس امر پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ قرآن کی حفاظت جو آپ کے سپرد کی گئی ہے تو آپ اس پر ناز نہ کریں خدا کو آپ کی ضرورت نہیں بلکہ آپ ہی کو خدا کی ضرورت ہے ۔

بے معنی سمجھے قرآن کا فائدہ

اب میں پھر مقصود کی طرف عود کرتا ہوں کہ یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں، کہ بدون معنی کے سمجھے قرآن پڑھنے کیا فائدہ، کیونکہ ایک فائدہ تو یہی ہے کہ معانی کی حفاظت بدون حفاظت

الفاظ کے نہیں ہو سکتی، اور حفظ معانی کی ضرورت آپ کو بھی مسلم ہے۔ یہ جواب تو سائنس و عقل کے موافق ہے اور آجکل عقل و سائنس کی پرستش زیادہ ہے اس لئے یہ جواب تو تعلیم یافتہ جماعت پر زیادہ حجت ہے اور ایک جواب نقلی ہے جو دینداروں پر حجت ہے، جو نقل کے سامنے عقل کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن کے ہر لفظ پر دس نیکیاں ملتی ہیں جس نے ایک بار زبان سے الحمد کہا اس کے نامۂ اعمال میں اسی وقت پچاس نیکیاں لکھی گئیں۔ شاید عقل پرستوں کو یہ جواب پھیکا معلوم ہوا ہو، مگر صاحبو! حقیقت میں بڑا قیمتی نفع ہے جس کی قدر مرنے کے بعد معلوم ہو گی جبکہ نیکیوں ہی کی پوچھ ہو گی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کے پاس مکہ کے ہلالے اور مجیدیاں بہت سی جمع ہوں اور ہندوستان والے اس کا مضحکہ اڑائیں کہ اس سکے کو جمع کرنے سے تجھے کیا نفع؟ وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ابھی تو کچھ نفع معلوم ہوتا لیکن ایک خاص دن معلوم ہو جائیگا پھر یہ شخص اور اس کا مضحکہ اڑانے والے دونوں حج کو جائیں تو وہاں پہونچ کر معاملہ برعکس ہو گا کہ اب وہ شخص جس کے پاس ہلالے اور مجیدیاں جمع تھیں ان لوگوں کا مضحکہ اڑائے گا جن کے پاس ہندوستانی تانبے کے پیسے بہت ہیں مگر مکہ کا سکہ کچھ نہیں تھا اور اب یہ لوگ اس کے سامنے شرمندہ ہوں گے ۔

ایک دوسرا عالم بھی ہے

صاحبو! اسی طرح ایک اور عالم آنے والا ہے جس کے بازار میں آپ کے ان سکوں کی کچھ قدر نہیں جو آپ آجکل جمع کر رہے ہیں نہ وہاں روپیہ کی قدر ہے نہ اشرفی کی نہ انٹرنس کی قدر ہے نہ بی، اے کی نہ ایل، ایل، بی کی نہ سی، ایس، آئی کی، وہاں کا سکہ یہی نیکیاں ہیں جن کی آپ اس وقت قدر کر رہے ہیں، پس قرآن کے الفاظ کا دوسرا نفع یہ ہے کہ یہ آخرت کا سکہ ہے جس کی ایک سورت سے آخرت کے بیشمار خزانے جمع ہو جاتے ہیں۔ جب آپ وہاں جا کر دیکھیں گے کہ ایک سورۂ فاتحہ اور قل ہو اللہ سے اتنا بے شمار ثواب مل گیا تو بے ساختہ یوں کہیں گے ؎

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را — کہ بیک گل می خری گلزار را

مگر ابھی اس واسطے قدر نہیں کہ یہ بازار اس سکہ کا نہیں ہے یہاں یہ سکہ رائج

نہیں لیکن آخر آپ مسلمان ہیں اور آخرت وقیامت کے آنے کا اعتقاد رکھتے ہیں پھر اس نفع کی بے قدری کس لئے ہے واللہ وہاں جاکر آپ افسوس کریں گے کہ ہائے ہم نے رات دن قرآن کی تلاوت کیوں نہ کی جو آج مالا مال ہوجاتے اور اس وقت اپنے ان عذروں اور بہانوں پر افسوس ہوگا جو آج کل تحصیل قرآن میں کئے جاتے ہیں۔

تلاوت قرآن پر توجہ

مجھے دیندار طبقے کی بھی شکایت ہے کہ یہ طبقہ بھی تلاوت قرآن کا پوری طرح اہتمام نہیں کرتا۔ بعضے یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم کو فرصت نہیں ملتی طلبہ اور مدرسین کو زیادہ تر یہی عذر ہے مگر یہ محض لغو ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ دوستوں سے باتیں کرنے میں بہت وقت ضائع کردیتے ہیں اس وقت ان کو کہاں سے فرصت مل جاتی ہے پھر افسوس ہے تلاوت قرآن کے لئے تھوڑا سا وقت نہیں دیا جاتا ؎

تلق از سوزش پروانہ داری ۔۔۔ دلے از سوز ما پروانہ داری۔

دوستوں کے راضی کرنے کا تو اتنا اہتمام اور خدا کے راضی کرنے کا مطلق اہتمام نہیں بتلائیے اگر خدا تعالیٰ آخرت میں یہ سوال فرمائیں کہ تم نے فلاں دن فلاں دوست سے ایک گھنٹہ تک باتیں بنائیں مجھ سے آدھ گھنٹہ بھی باتیں نہ کیں تو اس کا جواب کیا دوگے، بس سچا جواب تو یہ ہوگا کہ یوں کہدو کہ ہم کو (معاذ اللہ) خدا سے محبت نہیں اگر یہ کہدو تو پھر ہم آپ سے خطاب ہی نہ کریں گے لیکن آپ یہ کبھی نہیں کہہ سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت

کیونکہ آپ کو خدا تعالیٰ سے محبت ہے اس لئے کہ آپ مومن ہیں اور مومن کی شان یہ ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کہ جو لوگ ایماندار ہیں ان کو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت ہے پس آپ کو اللہ تعالیٰ سے ضرور محبت ہے، اور ایسی محبت ہے کہ کسی سے بھی اتنی محبت نہیں بعض لوگوں کو شاید اس میں خلجان ہو کہ ہم کو تو بظاہر اپنی اولاد اور بیوی کے ساتھ محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے، مگر یہ خیال صحیح نہیں اولاد اور بیوی کے ساتھ طبعی محبت ہے عقلی محبت نہیں اور طبعی محبت تو جانوروں کو بھی اپنی اولاد وغیرہ سے ہوتی ہے یہ کچھ کمال نہیں اور نہ خدا رسول کے ساتھ ایسی محبت مامور بہا ہے بلکہ محبت عقلیہ مامور بہا ہے جس کا منشا محبوب کا کمال ہوتا ہے، سو یہ محبت اللہ و رسول کیساتھ

زیادہ ہے اور کسی کے ساتھ ان کے برابر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے برابر صاحب کمال کوئی نہیں اور خدا تعالیٰ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی صاحب کمال نہیں اس لئے آپ کے ساتھ بھی یقیناً بہ نسبت سب کے زیادہ محبت ہے مگر عقلی اور غور کر کے دیکھا جائے تو طبعی بھی مسلمانوں کو اللہ و رسول ہی سے زیادہ ہے، اور کسی کے ساتھ اتنی محبت نہیں مگر اس کا ظہور کسی محرک کے وقت پر ہوتا ہے۔

ایک واقعہ

چنانچہ ایک قصہ سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی ہمارے اطراف میں ایک بزرگ مولانا **مظفر حسین** صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں جو تقویٰ کے اندر ہمارے اکابر میں مسلم و ممتاز تھے وہ ایک بار موضع گڑھی پختہ میں تشریف لے گئے وہاں کے رئیس نے مولانا سے سوال کیا کہ حدیث میں آیا ہے لا یؤمن احدکم حتیٰ یکون اللہ و رسولہ احب الیہ من نفسہ ومالہ وولدہ والناس اجمعین کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب اللہ و رسول اس کی جان و مال وغیرہ سب سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہوجائیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنے والد صاحب سے محبت زیادہ ہے۔ مولانا نے اس وقت تو اس کا ایک مناسب جواب دیدیا۔ پھر یہ چاہا کہ ان کے اس شبہ کو عملی طور پر دفع کردیا جائے تو زیادہ اطمینان کا باعث ہوگا۔ چنانچہ آپ نے عملی طور پر اس کا جواب اس طرح دیا کہ تھوڑی دیر میں باتوں باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ شروع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایسا ہے جس میں ہر مسلمان کو لطف آتا ہے، سب لوگ شوق سے سننے لگے، اور وہ رئیس بھی بہت مزے لے لے کر سن رہے تھے جب مولانا نے دیکھا کہ رئیس صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں بہت مزہ آرہا ہے تو درمیان میں حضور کا ذکر قطع کر کے فرمانے لگے کہ اچھا خانصاحب اس ذکر کو تو رہنے دیجئے اب میں کچھ آپ کے والد ماجد کے کمالات ومناقب بیان کرتا ہوں کہ وہ بھی بڑے اچھے آدمی تھے وہ رئیس بولے، حضرت توبہ توبہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں میرے والد صاحب کا تذکرہ کہاں سے ٹھونس دیا۔ نہیں نہیں آپ حضور ہی کا تذکرہ کیجئے۔ میرے والد صاحب کے کمالات کو حضور سے کیا نسبت جو آپ درمیان میں خواہ مخواہ

ان کا ذکر کرنے لگے ۔ میرے قلب کو اس سے بہت گرانی ہوئی ۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا کیوں خانصاحب ، تم تو یہ کہتے تھے کہ مجھے اپنے والد کے ساتھ محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے پھر حضور کے تذکرہ میں والد صاحب کا تذکرہ گراں کیوں ہوا خانصاحب سمجھ گئے کہ مولانا میرے شبہ کا علمی جواب دیا ہے ۔ کہنے لگے ۔ مولانا جزاک اللہ اب میرا شبہ جاتا رہا اور معلوم ہو گیا کہ الحمد للہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی محبت ہے کہ والد کی محبت کو اس سے کچھ بھی محبت نہیں ؎

؎ جزاک اللہ کہ چشم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی ۔

توصاحبو ! موازنہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اللہ و رسول کے برابر مسلمان کو کسی سے بھی محبت نہیں اور موازنہ ہوتا ہے کسی محرک کے پائے جانے پر ، مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص تمہارے ماں باپ کو گالی دے اور ایک شخص اللہ و رسول کی شان میں (معاذ اللہ) گستاخی کرے تو بتلاؤ کہ تم کو کس پر غصہ زیادہ آئیگا ۔ یقیناً جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی ہے اسپر زیادہ غصہ آئے گا اور تم آپے سے باہر ہو کر اس کی زبان نکالنے پر آمادہ ہو جاؤ گے جب ہر مسلمان کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنی ذلت اور ماں باپ کی ذلت گوارا کر سکتا ہے مگر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ذراسی گستاخی کا تحمل نہیں کر سکتا تو اب مطمئن رہو کہ بحمد اللہ تم کو طبعی محبت بھی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے زیادہ ہے ۔ مگر اس کا ظہور کسی محرک کے پائے جانے پر ہوتا ہے ۔ اور جب آپ کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت ہے تو اب اس کے کیا معنی کہ بدون سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ ؟ صاحبو ! اگر کوئی محبوب ایک مہمل زبان تصنیف کر کے عاشق سے اس میں باتیں کرے تو عاشق اگر سچا عاشق ہے تو یقیناً اس کی قدر کرے گا اور وہ مہمل زبان ہی اس نظر میں فصیح زبان سے زیادہ پیاری ہوگی ۔ کیونکہ محبوب کی زبان ہے ۔ اور قرآن تو مہمل بھی نہیں بلکہ نہایت فصیح و بلیغ و عجیب شیریں زبان ہے ۔ جو لوگ سمجھتے ہیں وہ تو اس کی فصاحت اور بلاغت اور شیرینی کو سمجھتے ہیں ۔

قرآن میں مزہ مگر جو کہ نہیں سمجھتے ان کو بھی اس میں بہت مزہ آتا ہے

تجربہ کر کے دیکھ لو ۔ اور جو لوگ تلاوت قرآن کے عادی ہیں وہ اس کا خوب تجربہ کئے ہوئے ہیں اور اگر کسی وقت کوئی خوش الحان قاری مل جائے تو ذرا اس سے قرآن سن کر دیکھ لو کہ بدون معنیٰ سمجھے تم کو مزہ آتا ہے یا نہیں ۔ واللہ بعض دفعہ نہ سمجھنے والوں کو بھی ایسا مزہ آتا ہے کہ دل پھٹ جاتا ہے ۔ بس قرآن کی یہ حالت ہے ؎

؎ بہارِ عالم حسنش دل و جاں تازہ می دارد ۔
برنگ اصحابِ صورت را ببو ارباب معنیٰ را ۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن پڑھنا گویا اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا ہے پھر حیرت ہے کہ آپ عاشق ہو کر اپنے محبوب سے باتیں کرنا نہیں چاہتے حالانکہ محبت وہ چیز ہے کہ عاشق طرح طرح اس کے بہانے ڈھونڈا کرتا ہے کہ محبوب سے باتیں کرنے کا موقع ملے ۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال ہوا تھا ۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اس کے جواب میں صرف اتنا کافی تھا کہ عصا کہدیتے مگر نہیں چونکہ ان کو محبت تھی تو اس وقت کو غنیمت سمجھا کہ محبوب سے باتیں کرنے کا موقع ملا ہے انہوں نے تفصیل کے ساتھ جواب دیا هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي ۔ یہ میری لاٹھی ہے میں اسپر سہارا لگا لیتا ہوں اور اس سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں کتنی طویل بات کی کہ هِيَ بڑھایا اول میں اور یاء متکلم کا اضافہ کیا آخر میں ۔ پھر اس لاٹھی کے منافع دو جملوں میں بیان کئے اور اس کے بعد فرمایا وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ کہ اس میں میرے اور بھی مقاصد ہیں یہ اس واسطے بڑھایا تاکہ آئندہ بھی کلام کی گنجائش رہے کہ شاید حضرت حق دریافت فرمادیں کہ ہاں صاحب وہ اور مقاصد کیا ہیں ذرا وہ بھی بیان کیجئے تو پھر اور باتیں کرونگا یا خود ہی عرض کریں کہ حضور اس وقت اس کی شرح نہ ہوئی تھی میں اب عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ غرض آئندہ باتیں کرنے کی گنجائش رکھ لی ، یہ بات ابھی ذہن میں آئی ۔ غرض عشاق کو محبوب سے باتیں کرنے میں عجیب مزہ آتا ہے اور یہ دولت مسلمانوں کو گھر بیٹھے ہر وقت نصیب ہے کہ وہ جب چاہیں اللہ تعالیٰ سے باتیں کریں یعنی

قرآن کی تلاوت کرنے لگیں۔

کلام اللہ پڑھنا

پھر حیرت ہے کہ قرآن کے بدون سمجھے پڑھنے کو بے فائدہ بتلایا جائے کیا یہ فائدہ کچھ کم ہے۔ صاحبو! یہ بڑی دولت ہے مگر اس کی قدر محبت والے جانتے ہیں پس محبت کی ضرورت ہے عشاق کی تو یہ حالت ہے کہ محبوب کا نام سننے میں بھی ان کو مزہ آتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؂

؂ الافاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر
ولاتسقنی سرا متی امکن الجھر

کہ مجھ کو شراب پلا اور زبان سے یہ بھی کہتا رہ کہ شراب ہے شراب ہے آخر شراب منہ سے لگ جانے کے بعد اس کی کیا ضرورت ہے کہ نام لیا جائے اس کا یہی راز ہے کہ محبوب کا نام سننے میں مزہ آتا ہے۔ پھر غضب ہے کہ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کا نام سننے میں مزہ نہ آئے اور قرآن سے زیادہ خدا کا نام کس کتاب میں ہوگا ہر آیت میں قریب قریب بار بار خدا کا نام آتا ہے اور جابجا خدا کی حمد وثنا اس طرح کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ کوئی کر نہیں سکتا اور گو ذکر اللہ کے اور طریقے بھی ہیں مگر نماز اور تلاوت سے زیادہ کوئی طریقہ بہتر نہیں۔ حدیث سے یہ بات تصریح کے ساتھ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے الفاظ کا اس قدر عشق تھا کہ آپ خود تلاوت کرتے ہی تھے ایک دفعہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ قرآن سناؤ انہوں نے عرض کیا اعلیك اقرأ علیك انزل او کما قال، کیا حضور کو میں سناؤں حالانکہ آپ ہی پر اترا ہے فرمایا ہاں میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست کیوں کی۔ حالانکہ سارا قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حفظ تھے اور اس کے معنیٰ بھی آپ کے ذہن میں حاضر تھے صرف اسی لئے کہ قرآن کے الفاظ سے آپ کو عشق تھا اور دوسرے کی زبان سے سننے میں بوجہ یکسوئی کے مزہ زیادہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ صرف الفاظ قرآن بھی بدون لحاظ معنیٰ کے مطلوب ومقصود ہیں صاحبو! اس سے بڑھ کر الفاظ قرآن کا نفع اور کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے کی

قرأت کی طرف بہت توجہ فرماتے اور نہایت توجہ سے سنتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ اگر عاشق کو کسی مخبر سے یہ معلوم ہو جائے کہ محبوب تیرا گانا سن رہی ہے تو بتلائیے وہ کیسے مزے لے لیکر گائیگا اور کس طرح بنا سنوار کر پڑھے گا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل اور اصدق کون مخبر ہوگا سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ قرآن پڑھنے والے پر بہت متوجہ ہوتے ہیں اور نہایت توجہ سے اس کی قرأت سنتے ہیں اس سے بھی الفاظ کا مشہور ہونا ظاہر ہے کیونکہ قرأت اور استماع الفاظ ہی کے متعلق ہے نہ کہ معانی کے۔ اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم کو قرآن پڑھتے ہوئے اس امر کا استحضار کرنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ ہماری قرأت کو سن رہے ہیں۔ اس مراقبہ کا یہ اثر ہوگا کہ نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ صحت کا لحاظ کر کے قرأت کی جائے گی اور بے پروائی کے ساتھ نہ پڑھا جائے گا۔

الفاظ بھی مقصود ہیں

دوسرے اچھا میں نے مانا کہ معنیٰ ہی اصل مقصود ہیں مگر یہ کبھی نہ مانونگا کہ معانی ہر وقت مقصود ہوتے ہیں بلکہ ایک وقت ایسا بھی ضرور ہونا چاہیئے جس میں صرف الفاظ ہی مد نظر ہوں اور معانی پر التفات نہ ہو جیسا کہ ریاضی میں پہاڑے یاد کئے جاتے ہیں اس وقت مقصود پر اصلاً نظر نہیں ہو بلکہ صرف الفاظ ہی کو رٹا جاتا ہے اور جیسے کھانا کھانے سے مقصود قوت ہے مگر کھانے کے وقت لذت پر بھی نظر ہوتی ہے صورت پر بھی نظر ہوتی ہے کہ روٹی جلی سوئی سیاہ نہ ہو، سالن میں نمک مرچ بہت تیز یا کم نہ ہو اس وقت کوئی یہ نہیں کہتا کہ مقصود تو قوت ہے صورت اور لذت پر نظر کرنا بے فائدہ ہے۔ افسوس دنیا کی چیزوں میں تو صورت اور لذت پر نظر ہو اور قرآن میں یہ امور بے فائدہ ہو جائیں حیرت ہے اور تلاوت قرآن میں لذت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ تلاوت کے وقت معانی کی طرف توجہ نہ ہو صرف الفاظ ہی پر توجہ ہو کیوں کہ وہ مراقبہ جو ابھی بیان ہوا کہ تلاوت کے وقت اپنے کو پڑھنے والا سمجھے اور حق تعالیٰ کو متکلم سمجھے اور اپنے کو مثل شجرۂ طور کے حاکی اور ناقل سمجھے یہ مراقبہ صرف الفاظ ہی پر توجہ کرنے میں حاصل ہو سکتا ہے معانی پر توجہ کے ساتھ یہ مراقبہ نہیں ہو سکتا چاہے تجربہ کر کے دیکھ لو، اسی طرح یہ مراقبہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ہماری تلاوت کو سن رہے

ہیں صرف توجہ علی الالفاظ سے حاصل ہوتا ہے۔ بدون اس کے نہیں ہوسکتا پھر الفاظ بدون فہم معانی کے بیکار کیوں ہوئے۔

دریا کی سیر

صاحبو! دریا کی سطح کی سیر میں جو لذت ہے وہ سیر عمق میں نہیں ہے گو سیر عمق سے موتی ہاتھ لگتے ہیں جو سطح کی سیر سے حاصل نہیں ہوتے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سطح دریا کی سیر بیکار ہے۔ ہرگز نہیں اطبار سے پوچھو وہ سطح دریا کی سیر کو فرحت بخش بتلاتے اور کہتے ہیں کہ اس سے دل و دماغ کو سرور اور نگاہ کو تازگی و نور حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ مدقوق کے لئے سیر دریا اسی واسطے تجویز کی جاتی ہے کہ اس کو فرحت ہو اور فرحت سے طبیعت کو قوت حاصل ہو جس سے مرض کو وہ از خود دفع کر دے تو کیا سطح دریا کی سیر کو تو بیکار نہ کہا جائے اور سطح قرآن کی سیر کو بیکار کہا جاوے، کتنا بڑا ظلم ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ اصل مقصود تمام طاعات سے قرب حق ہے۔ حق تعالیٰ کے یہاں سے اولاً الفاظ آئے ہیں۔ اور معانی ان کے تابع ہو کر آئے ہیں۔

الفاظ قرآن

پس الفاظ کو اللہ تعالیٰ سے قرب زیادہ ہوا اگر یہ الفاظ قرآن بے معنیٰ بھی ہوتے تو عاشق کے لئے یہی کافی تھے کیونکہ محبوب اگر عاشق کو کوئی چیز دے تو وہاں دو لذتیں ہیں ایک لذت محبوب کے ہاتھ سے ملنے کی دوسری لذت اس چیز کے کھانے کی، اور ظاہر ہے کہ عاشق کے رقص کے لئے تو یہی لذت کافی ہے کہ اس کو محبوب کے ہاتھ سے یہ چیز ملی ہے چنانچہ بعض دفع اس چیز کو صرف بھی نہیں کیا جاتا بلکہ محبوب کی یادگار سمجھ کر بطور تبرک کے رکھ لیا جاتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک قیراط دیا تھا انہوں نے اس کو خرچ نہیں کیا بلکہ اس کو ہمیشہ اپنے پاس ہی رکھا۔ پس عشاق کے لئے تو الفاظ قرآن ہی رقص کے واسطے کافی تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاً بالذات ہم کو ملے ہیں گو ان میں معنیٰ بھی نہ ہوتے۔ مگر معنیٰ کے دو لذتیں جمع ہوگئیں تو اب کیونکر ہوسکتا ہے کہ لذت معانی سے لذت الفاظ کو چھوڑ دیا جائے بلکہ دونوں لذتیں قابل لحاظ ہیں اور الفاظ کی لذت اس جہت سے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاً آئے ہیں گو باعتبار قصد کے معانی اصل ہیں۔ اور الفاظ ان کے تابع۔ غرض

بعض جہات سے ان الفاظ کو زیادہ قرب ہے اور بعض جہات سے معانی کو زیادہ قرب ہے اور کوئی ایک دوسرے سے مغنی نہیں یہ میں نے اس لئے کہدیا کہ کہیں حفاظ خوش نہ ہوں کہ ہم سب سے افضل ہوگئے کیونکہ الفاظ کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب ہے تو وہ ایک طرفہ فیصلہ کر کے خوش نہ ہوں میں ایک طرفہ فیصلہ کر کے ڈگری نہیں دیتا بلکہ دونوں جماعتوں کے لئے فیصلہ کرتا ہوں کہ بعض جہات سے اہل الفاظ افضل ہیں اور بعض جہات سے اہل معنیٰ اور قرآن کی دونوں چیزیں قابل اہتمام ہیں صورت بھی اور معنیٰ بھی کیونکہ ہر چیز کی طرف صورت و معنیٰ دونوں ہی کی وجہ سے رغبت ہوتی ہے۔

سیر کے ساتھ صورت پر نظر

صورت کو کوئی بیکار نہیں کہہ سکتا دیکھئے کالپی کی مصری شیرینی میں تو یہاں کی بجری کے برابر ہے مگر صورت اور صفائی کی وجہ سے لوگ منگاتے ہیں کیونکہ صورت خوش دیکھ کر کسی چیز کا کھانا عجیب لطف دیتا ہے، اسی طرح کپڑوں میں ایک صورت ہے ایک معنیٰ مقصود تو ستر عورت ہے اور گرمی و سردی سے بچنا اس میں ہر قسم کا کپڑا یکساں ہے، اور ایک صورت ہے یعنی کپڑے کی باریکی، نزاکت اور نقش و نگار وغیرہ، ظاہر ہے کہ صورتِ محض بیکار نہیں بلکہ اس کے لئے بھی بڑی کوشش کی جاتی ہے۔ اور دیکھئے عورت کی ایک صورت ہے اور ایک معنیٰ، معنیٰ تو ہمبستری اور خانہ داری کا کام لینا ہے اس مقصود کے لئے ہر عاقل بالغ عورت کافی ہے۔ اور ایک صورت ہے کہ رنگ بھی اجلا ہو ناک نقشہ بھی خوبصورت ہو خاندان کی بڑی ہو اگر صورت بیکار ہے تو یہاں صورت پر کیوں مرتے ہو اور کیوں اس کے لئے خاک چھانی جاتی ہے اور اسی طرح ادویہ میں بہت چیزیں ایسی ہیں جو باہم یکساں خاصیت رکھتی ہیں مگر بعض دفعہ ادویہ کو صورت نوعیہ کی وجہ سے اختیار کیا جاتا ہے کیونکہ دوائیں بعض مؤثر بالخاصہ بھی ہوتی ہیں جیسے تعلیق کہربا خفقان کو نافع ہے تو ایسی ادویہ صورت نوعیہ کی وجہ سے مؤثر ہوتی ہیں یہاں صورت کا لحاظ کیوں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے الفاظ باہم متحد المعانی ہوتے ہیں مگر صورت کی وجہ سے ان میں بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ اسلئے بعض الفاظ القاب و آداب

ہیں اپنی صورت کی وجہ سے مطلوب ہوتے ہیں اگرانکی جگہ دوسرے الفاظ ان ہی کے ہم معنیٰ بولے جائیں توسخت حماقت قرار دی جاتی ہے مثلاً کوئی باپ کو برخوردار نور چشم لکھے تو پاگل شمار ہوگا حالانکہ اس کے معنیٰ کچھ بھی برے نہیں برخوردار بمعنیٰ دام ظلہم کے ہے۔ کہ ہمیشہ دنیا سے پھل کھاتے رہیں یا صاحب نصیب ہوں۔ اور نور چشم کے معنیٰ ہیں آنکھ کی روشنی۔ تو باپ آنکھ اور کان سب ہی کا وسیلہ ہے یہ آنکھ کی روشنی بھی اولاد کو باپ ہی سے ملی ہے تو معنیٰ تو برے نہیں مگر الفاظ کی صورت کی وجہ سے کاتب کو احمق اور پاگل بنایا جاتا ہے معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ غلط ہے کہ معنیٰ ہی ہمیشہ مطلوب ہوتے ہیں اور الفاظ مطلوب نہیں ہوتے۔

صورت کی اہمیت

اس سے بڑھ کر اور سنیئے۔ انسان کی ایک صورت ہے اور ایک معنیٰ۔ چنانچہ معنیٰ انسان روح انسانی ہے۔ جس کی بدولت آدمی گدھے کتوں سے ممتاز ہے تو اگر یہ دعویٰ مان بھی لیا جائے کہ صورت محض بیکار ہے توان مدعیوں کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کا گلا گھونٹ دبا کریں کیونکہ یہ تو محض صورت ہے اس کی کیا ضرورت ہے بلکہ مقصود تو معنیٰ ہیں یعنی روح اور وہ گلا گھونٹے کے بعد بھی باقی رہتی ہے کیونکہ موت سے ارواح فنا نہیں ہوتیں تو کیا اس کو کوئی عاقل گوارہ کرسکتا ہے ہرگز نہیں، معلوم ہوا کہ معنیٰ کی طرح صورت بھی مطلوب ہے پھر قرآن ہی میں اس کے خلاف یہ نیا قاعدہ کیوں جاری کیا جاتا ہے کہ اس کی صورت یعنی الفاظ بدون معنیٰ کے بیکار ہے۔

الحمد للہ میں نے مختلف وجوہ سے مسئلہ کو ثابت کر دیا کہ الفاظ قرآن بدون فہم معنیٰ کے بھی مطلوب ہیں اور ان کا پڑھنا ہرگز بیکار نہیں۔ اب یہ دعویٰ بالکل باطل ہو گیا کہ بدون معنیٰ کے الفاظ پڑھنے سے کیا فائدہ۔

(الفاظ قرآن ص۱ تا ص۴۴ ملخصاً)

حروف مقطعات کے نکات

اب میں حروف مقطعات کا نکتہ بیان کرتا ہوں جو ان آیات کے شروع میں وارد ہیں ان سے بھی اپنا مدعیٰ ثابت کروں گا جیسا کہ میں نے شروع میں وعدہ کیا تھا۔

حروف مقطعات میں بہت سے نکات ہیں۔ ایک نکتہ یہ ہے کہ یہ اسرار ہیں درمیان اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معانی سے واقف تھے مگر دوسروں پر آپ نے ان کے معانی ظاہر نہیں فرمائے کیونکہ ان کا تعلق محکمہ شرائع عالیہ سے نہیں بلکہ دوسرے محکمہ سے ہے۔ ان اسرار کو اسی محکمہ کے آدمیوں پر ظاہر کیا جاتا ہے تو ممکن ہے کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو ان سے واقف کیا گیا ہو چونکہ امت کو اس محکمہ سے تعلق نہیں اس لئے ہم لوگوں کو ان اسرار پر مطلع نہیں کیا گیا۔ ایکمرتبہ میں نے درس میں یہی تقریر کی تھی اور اس وقت ایک کورٹ انسپکٹر موجود تھے وہ کہنے لگے آپ سچ کہتے ہیں واقعی ہر محکمہ کے خاص اسرار ہوتے ہیں جن سے دوسرے محکمہ والوں کو مطلع نہیں کیا جاتا۔ میں نے کہا آپ تو ایسی تصدیق کر رہے ہیں جیسے آپ پر بات گذری ہو کہنے لگے جی ہاں مجھے آجکل ہی یہ بات پیش آئی ہے، میں ایک دن سپرنٹنڈنٹ کی کوٹھی پر گیا ہوا تھا ان کی میز پر ایک کتاب رکھی تھی میں اس کو دیکھنے لگا تو صاحب نے وہ کتاب میرے ہاتھ سے لے لی اور کہا یہ آپ کے دیکھنے کی نہیں ہے اس میں محکمہ خفیہ پولیس کے اسرار ہیں جن سے دوسرے محکمہ والوں کو مطلع نہیں کیا جاتا اور وہ اسرار کچھ اصطلاحات ہیں کہ سی، آئی، ڈی والے ان اصطلاحات میں ایک دوسرے کو تار کے ذریعے سے خبریں دیتے ہیں اور دوسرے لوگ ان اخبار پر مطلع نہیں ہوتے اس سے میرا بڑا جی خوش ہوا کہ حسیات میں بھی اس کی نظیر موجود ہے۔

قرآن سے معنیٰ کے ساتھ الفاظ بھی مقصود ہیں

دوسرا نکتہ اس میں ابھی میرے ذہن میں آیا ہے وہ یہ کہ ممکن ہے کہ اس میں اس مضمون پر تنبیہ مقصود ہو کہ قرآن سے محض معانی مقصود نہیں بلکہ الفاظ بھی مقصود ہیں کیونکہ بعض الفاظ قرآن میں غیر معلوم المعنیٰ ہیں اگر صرف معانی مقصود ہوتے تو قرآن میں ایسے الفاظ۔۔۔۔۔ کیوں ہوتے حالانکہ وہ جزو قرآن ہیں جن کی قرآنیت کا انکار کفر ہے۔

ایک نکتہ اس میں یہ ہے کہ حروف مقطعات میں احاد وعشرات ومآت کو جمع کیا گیا جس سے بعض اہل کشف نے بعض حوادث پر پیشین گوئی کے استدلال کئے ہیں جو ایک مستقل علم ہے اس کے علاوہ اور بہت سے نکات ہیں خلاصہ بیان

ہے کہ محض الفاظ مقصود سمجھو اور معانی کو بیکار نہ محض معنیٰ کو مقصود سمجھو اور الفاظ کو بیکار بلکہ قرآن کے الفاظ و معانی دونوں مقصود ہیں۔ (ایضاً ص ۴۲)

(۴) فرشتوں سے سوال کہ میرے بندے کیا کر رہے ہیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں نے ایک دفعہ ہمارے متعلق ایک بات کہدی تھی جس سے اب تک ان کا پیچھا نہیں چھوٹا سو ان سے پوچھ کر یہ جتلاتے ہیں کہ دیکھو یہ وہی تو ہیں جن کے بارے میں تم نے ایسا کہا تھا فرشتوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا فرشتوں نے کہا تھا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا کہ آپ زمین میں ایسے کو خلیفہ بناتے ہیں جو اس میں فساد کرے "مَنْ" سے مراد عام تھا کہ وہ سب ایسے ہی ہوں گے سو وہ موجبہ کلیہ کے مدعی تھے۔ پس سالبہ جزئیہ ان کے مقابلے میں کافی ہو گیا یعنی ایک ایسے شخص کا پیش کر دینا جو مطیع کامل ہو ان کے موجبہ کلیہ توڑنے کے لئے کافی ہے۔ یہ نہیں کہ سارے مطیع کامل ہوں تب ہی ان کا جواب ہو سکے سو فرشتے ایک دفعہ ہم پر اعتراض کرنے سے پکڑے گئے آج تک ان کا پیچھا نہیں چھوٹا جب کوئی موقع ہوتا ہے تو حق تعالیٰ جتلا دیتے ہیں اسی طرح فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے عصر اور صبح میں، جو فرشتے عصر کے وقت آئے تھے وہ صبح کے وقت رخصت ہوتے ہیں اور ان بجائے دوسرے فرشتے ... آتے ہیں پھر وہ عصر کے وقت چلے جاتے ہیں اور دوسرے آجاتے ہیں جب واپس ہو کر جاتے ہیں تو ان سے پوچھا جاتا ہے کہ ہمارے بندے کیا کر رہے تھے وہ عرض کرتے ہیں یا الٰہی جب ہم گئے تھے جب بھی نماز پڑھ رہے تھے اور واپسی کے وقت بھی نماز پڑھتے چھوڑا۔ اللہ میاں دونوں وقت فرشتوں کو جتلا دیتے ہیں اور بدلی بھی خاص اس وقت کرتے ہیں جو ہنر کا وقت ہے اور اسی وقت کی حالت پوچھتے ہیں کہ میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو حالانکہ فرشتے دیکھتے سب ہیں جو کچھ بندے کرتے ہیں کیونکہ ان کی شان ہے یعلمون ما تفعلون مگر ان سے صرف اسی وقت کی حالت پوچھتے ہیں اور بلا پوچھے خود وہ کہہ نہیں سکتے۔ (الصلوٰۃ ص ۴۵)

(۵) لوح محفوظ کی وسعت پر شبہ کا جواب

ایک دفعہ ایک منکر غیبیات مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ لوح محفوظ کتنی بڑی مان لیجئے مگر کبھی تو ختم ہو جائے گی۔ ہزاروں لاکھوں برس ہو چکے بیشمار چیزیں پیدا ہوئیں اور فنا ہوئیں کہاں تک لوح محفوظ میں لکھا گیا ہو گا۔ مولانا نے فرمایا کہ تمہارا ذہن ہے یہ کبھی ختم نہیں ہوتا اس میں تم نے کتنی چیزیں بھری ہونگی مگر وہ ابھی تک خالی ہے تو لوح محفوظ تو ذہن سے بہت بڑی ہے۔ ہاں واقعی اتنے سے ذہن میں کس قدر گنجائش ہے کہ دلی، کلکتہ، زمین و آسمان سب کچھ سمایا ہوا ہے اگر حصول الاشیاء بانفسہا نہ مانئے تو باشباہہا کے قائل ہو جئے۔ تب بھی شبہ دلی کی دلی کے برابر تو ہو گی جیسا سوچنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ اجی ذہن چھوٹا نہ سہی کہ اشیاء یا اشباہ لطیف ہیں تب بھی اتنا بڑا آسمان اتنی بڑی زمین اتنی بڑی دلی، ذہن اتنا بڑا کہاں سے ہو گیا۔ تو لوح محفوظ میں تمام چیزوں کا سما جانا کیا مشکل ہے تو ذہن محض اس وسعت میں تو سب کا مشابہ لوح محفوظ کے ہے مگر علم صحیح سے خاص باعتبار علوم عالیہ کے بھی بالکل سچا نمونہ لوح محفوظ کا ہو جاتا ہے۔ (روح الجوار ص ۹)

(۶) مرجانیکے بعد عذابِ قبر روح پر ہوتا ہے یا جسم پر

بات یہ ہے کہ وہ روح ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا ہے رہا یہ کہ روح مجرد ہے یا مادّی ہے بعض اہل کشف کا قول ہے کہ مجرد ہے اور بعض متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ مادی ہے اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ تجرد خواص واجب سے ہے لیکن یہ دعویٰ خود بلا دلیل ہے بلکہ خواص واجب سے قِدَم اور وجوب ہے سو جو حکماء مجردات کے قائل ہوئے ہیں وہ مجردات میں قِدَم بھی مانتے ہیں۔ یہ بیشک باطل ہے باقی اگر روح کو مجرد کہا جائے اور حادث بالذات و بالزمان بھی مانا جاوے تو کون سی دلیل عقلی کے خلاف ہے غرض بعض متکلمین تو سوائے واجب کسی چیز کے مجرد ہونے کے قائل نہیں۔ اور صوفیہ کرام کئی چیزوں کے تجرد کے قائل ہوتے ان کو لطائف کہتے ہیں۔ جیسے روح. قلب، سِر خفی و اخفیٰ۔ اور کہتے ہیں کہ انسان جس طرح

عناصر مرکب ہے اسی طرح ان اجزائے مجردہ سے بھی ہے اور اس پر یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ ہم نے خلوات اور مراقبات میں مجردات کا مشاہدہ کیا ہے سو جب تک قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو کیونکر اس کا انکار کر سکتے ہیں تو اگر روح مجرد ہے تو اس پر البتہ بیٹھنا صادق نہیں آتا۔ مگر صوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ دوسرا بدن جو مشابہ اسی بدنِ عنصری کے ہوتا ہے عالم برزخ میں دیا جاتا ہے تو جس طرح یہ حی تھا وہ بھی حی ہے سب عذاب وثواب اسیر ہوتا ہے اور اس بدن کی طرح اسے بھی حس ہوتی ہے کیونکہ اس کا مادہ لطیف ہوتا ہے۔ (روح البیع والشج صـ۱۳)

(۷) بارہ بروج کا ثبوت قرآن مجید سے دینا صحیح نہیں

فرمایا منجمین یا حکما نہیں کسی شخص نے ان کو زمرۂ حکما میں نہیں شمار کیا، حکماء وہ لوگ ہیں جنھیں حقائق واصول اشیاء معلوم کر کے دلائل عقلی وبراہین قطعی سے ثبوت دیا اور اہل نجوم محض تخمینیات وتوہمات وخرافات سے کام لیتے ہیں کسی دعویٰ پر دلیل قائم نہیں کر سکتے، محض واہیات وخرافات سے کام لیتے ہیں۔ دلائل تو دلائل دعاوی بھی نور علیٰ نور ہیں اور ہمارے بعض مفسر نے غضب ہی کیا ہے کہ بعض آیات کی تفسیر ان کے اقوال پر مبنی کر دی بعض اصطلاحات ایسے مشہور ومعروف ہو جاتے ہیں کہ ان سے اصاغر واکابر کوئی نہیں بچتا۔ الا ماشاء اللہ چنانچہ بعض مفسرین نے تو قرآن شریف میں بروج سے بارہ بروج اہل ریاضی کے مراد لئے ہیں۔ حالانکہ وہ خود اجزائے تخیلیہ ہیں موجود حقیقی نہیں۔ اور متبادر قرآن سے ان کا وجود حقیقی ہے پس بحیثیت تفسیر صحیح نہیں۔ سیدھی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے فرماتے ہیں کہ بروج سے مراد کواکب عظام ہیں۔ نہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کو چھوڑ کر اہل ریاضی کی تقلید کی خود قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے ولوکنتم فی بروج مشیدۃ اس سے صریح تائید ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہوتی ہے۔ اور بعض نے ہیئات ونجوم دونوں کو مخلوط کر دیا یعنی ان بروج کے ساتھ خاص خاص کواکب کو مختص بھی کر دیا ہے جس کی بنا محض خرافات نجومیہ ہیں ورنہ اہل ہیئت بعض کواکب کو بعض بروج سے مختص نہیں سمجھتے۔ بلکہ ہر کوکب ہر برج

میں گردش کرتا ہے البتہ نجوم کہتے ہیں کہ بعض کواکب بعض بروج کے ساتھ مختص ہیں اور دلیل وہ لچر پوچ کہ ناگفتہ بہ، کہتے ہیں کہ مثلاً ایک برج ہے جس میں کچھ کواکب ثابت جمع ہو کر بشکل اسد موہوم ہو گئے۔ اس طور سے اپنے خیال میں سوچا اس کا نام اصطلاحاً اسد رکھدیا تھا۔ ان عقل کے دشمنوں نے یہ گھڑ لیا کہ اسد حار المزاج ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کواکب حار کو شمس سے مناسبت ہے۔ بھلا کیا محض نام سے اس برج میں حرارت آگئی، ان کی عقل کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اس دلیل سے اسد کے ساتھ شمس کو مختص کہدیا۔

(از ملفوظات ہفت اختر ملفوظ نمبر ۱۰۲)

(۸) آیات کی تفسیر قواعد ہیئت پر ہے۔

فرمایا علماء اسلام کے کلام جو بعض نصوص متعلقہ کو ان کے قواعد ہیئت پر تطبیق پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے بعضے۔ ۔ ۔ اقوال مشہورہ ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور ان الفاظ کے سنتے ہی تبادر ذہن کا ان معانی مصطلحہ کی جانب ہو جائے گو وہ لغۃً مراد نہ ہوں اس سے عام قلوب میں ان امور غیر ثابت بالدلیل کی وقعت ہو جاتی ہے پس نصوص کو بھی ان پر منطبق کرنے لگتے ہیں حالانکہ ان کے دعاوی کی خود ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ چنانچہ کتب ہیئت میں مصرح ہے کہ شمس کو سماء رابع پر مانا جاتا ہے لیکن خود ہمارے پاس اس کی کوئی حجت نہیں۔ اسی طرح بعض نے ثوابت کو ہر ایک کو ہر ایک آسمان میں مانا ہے۔ ان احتمالات کے ہوتے ہوئے ان پر تفسیر قرآن کو مبنی کرنا محض غیر موجہ ہے بلکہ ان سب کے خلاف ان نصوص کی تفسیر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سب کواکب وثوابت وسیارہ وشمس وقمر سماء دنیا میں ہیں اور سب متحرک بالذات ہیں اور ہر ایک کی حرکت علیحدہ ہے اور ثوابت کی حرکت خواہ ذاتیہ اور متشابہ ہو یا آسمان دنیا کے اندر کوئی جزو ایسا ہو جو ان سب کو لے کر حرکت کرتا ہو اور سماء خواہ متحرک ہو یا نہ ہو۔ البتہ جن کواکب کی چند حرکتیں محسوس ہوتی ہیں ان میں سے کسی ایک حرکت کو بالعرض کہدیں۔

قرآن شریف سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کواکب سماء دنیا پر ہیں اور یہ متحرک بالذات نہیں وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وقولہ تعالیٰ وَهُوَ

خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ط۔ اور کل فی فلک سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ہر کوکب جدا آسمان میں ہے کیونکہ فلک اور سماء مترادف نہیں ہیں۔ فلک کہتے ہیں دائرہ کو اور بھی معلوم ہوتا ہے کہ کواکب کی حرکت سے دائرہ ضرور پیدا ہوتا ہے خواہ تحقیقی یا تقریبی اور شریعت سے حرکت سماء ثابت نہیں بلکہ آسمان میں کواکب کی حرکت مثل مچھلیوں کی حرکت کے پانی میں ہے اور جو حکماء نے جو فلک کو بہت سخت صعب مان کر امتناع خرق والتیام کا حکم کیا ہے محض اپنے خیال سے گھڑ گھڑا کر باوجود عدم ثبوت مقدمات کے پھر حکم جازم کر دیا۔ چنانچہ متکلمین نے کتب کلامیہ میں ان مقدمات کا جواب دیا ہے۔ (ایضاً ملفوظ نمبر ۱۰)

(۹) قرآن وحدیث کا جو مطلب علماء بیان کرتے ہیں وہی درست ہے

اس شبہ کے اٹھانے کے لئے دوسری نظیر دیتا ہوں کہ قانون وہ ہے جو کہ پارلیمنٹ نے تجویز کیا ہے اور اس کے معنیٰ وہ ہیں جو کہ جج سمجھتے ہیں کیونکہ آپ سے براہ راست تو خط وکتابت ہی نہیں جو وہ خود آپ سے اس کے معنیٰ بیان کرتے بس جن لوگوں کو انہوں نے قانون فہمی کا اہل سمجھ کر عہدہ دیا ہے وہ جو معنیٰ قانون کے بیان کریں اس کو ماننا پڑے گا کہ قانون کے درحقیقت یہی معنیٰ ہیں۔

دیکھئے جب ایک ہائی کورٹ کا جج ایک فیصلہ دیتا ہے تو کیا اس وقت آپکا یہ کہنا قابل سماعت ہوگا کہ قانون کے یہ معنیٰ نہیں جو تم نے سمجھے۔ ہرگز نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا کرے کہ اس کے ساتھ گلخپ ہو اور حکم نہ مانے تو اس کو قانون کی مخالفت قرار دیا جائے گا اور اس کے لئے سزائے جیل تجویز ہوگی اگر اس وقت آپ یہ کہیں کہ صاحب آپ حکم ہی نہیں سمجھے قانون کے یہی معنیٰ ہیں جو میں سمجھتا ہوں تو کیا آپ کے اس کہنے کی سماعت ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ جواب ملے گا کہ تم اپیل کرو، سو دیکھئے کہ ہائی کورٹ کے جج قانون سمجھنے والے تسلیم کر لئے گئے ہیں اور جو یہ قانون کے معنیٰ بیان کریں اس کی مخالفت قانون ہی کی مخالفت قرار دی گئی ہے کیونکہ پارلیمنٹ

کے حکام ہر مقدمہ کا فیصلہ خود تو کرتے نہیں بلکہ وہ اصول کلیہ بنا دیتے ہیں اس لئے قانون کے سمجھنے والے ہائی کورٹ کے جج قرار دیئے گئے ہیں تو ہرچند کہ ہائی کورٹ کی مخالفت کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ میں پارلیمنٹ کا خلاف نہیں کرتا۔ بلکہ جو یہ اس قانون کا معنیٰ بیان کرتے ہیں اس کا خلاف کرتا ہوں۔ مگر اس کا یہ عذر نہ سنا جائے گا اور اس کو پارلیمنٹ ہی کا مخالف سمجھا جائے گا بس ایسے ہی حضرات ائمہ مجتہدین چونکہ قرآن وحدیث کے سمجھنے والے مان لئے گئے ہیں اسلئے ان کی مخالفت خدا اور رسول کی مخالفت ہے گو حدیثیں کسی شخص کو ان سے زیادہ معلوم ہوں مگر کثرت معلومات سے مجتہد نہیں ہو سکتا

؎ شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

مجتہدین کی شان

مجتہدین کو حق تعالیٰ نے ایک خاص شان عطا فرمائی ہے۔ اب کوئی اللہ میاں سے لڑے کہ ان کے اندر یہ قابلیت کیوں رکھی اور ہمارے اندر کیوں نہیں رکھی تو یہ بات ہم سے پوچھنے کی نہیں خدائے تعالیٰ سے پوچھئے، پھر یہ بھی پوچھ لینا کہ انبیاء کو نبوت دی مجھے کیوں نہیں دی ایک وہ نظم ہے کہ فلاں کو دی پیغمبری: ؎

"میری بار کیوں دیر اتنی کری"

اول نظم سے آخر تک خدا کی شکایت ہے تو اگر ایسی ترقی ہے تو خدا خیر کرے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ؎

؎ آنکس کہ تونگرت نمی گرداند او مصلحت تو از تو بہتر داند۔

غرض یہ کہ خدا تعالیٰ نے مجتہدین میں ایک کمال پیدا کیا ہے، جو ہم لوگوں میں نہیں ہے اور اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اس وقت قرآن سے تم چند ایسی جزئیات استنباط کرو جن کا حکم فقہاء کے کلام میں نہ دیکھا ہو پھر اول معاملات میں فقہاء کا قول دیکھو اور اپنے استنباط کو ان کے استنباط کے ساتھ موازنہ کرو تب معلوم ہوگا کہ فقہاء اور مجتہدین کی شان کیا ہے مگر اس کے لئے بھی ضرورت ہے کی۔ سو ایسا کرنے پر بہت آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم میں اور ائمہ مجتہدین میں کتنا بڑا فرق ہے پس اس تفاوت کی وجہ سے عوام کی تو ایسی مثال ہے جیسے عام رعیت اور علماء

کی ایسی مثال ہے جیسے وکلاء اور ائمہ مجتہدین، جیسے ہائی کورٹ کے جج پس جب ایک رعیت کو ہائی کورٹ کے جج بلکہ ایک معمولی جج کی مخالفت جائز نہیں تو عوام کو علماء کی مخالفت کب جائز ہوگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مولویوں سے غلطی نہیں ہوتی بلکہ ہوجاتی ہے مگر اس کا پکڑنا عوام کا کام نہیں ہے بلکہ علماء ہی کا کام ہے اور جب تک کہ ایک متدین عالم کا فتویٰ بلا تعارض موجود ہے۔ عامی کے ذمہ واجب ہے کہ اس کا اتباع کرے تو اب اس کے کہنے کی کہاں گنجائش رہی کہ میں تو علماء کی مخالفت کرتا ہوں خدا اور رسول کی مخالفت نہیں کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ علماء کی مخالفت کسی طرح جائز نہیں حتیٰ کہ اگر آپ کے سامنے ترجمہ حدیث کا موجود ہو جب بھی آپ کو علماء کی مخالفت جائز نہیں کیونکہ ترجمے سمجھنے کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے جیسے کہ قانون کا ترجمہ ہوگیا ہے مگر پھر بھی کوئی شخص جج کی مخالفت میں اپنی رائے نہیں پیش کرسکتا گو وہ کسی کتاب کے پیش کرنے کے ساتھ ہو اور اگر کرے تو اب بھی اس کا وہی حال ہوگا جو قانون کے ترجمہ ہونے کی حالت میں ہوتا یعنی قانون کا مخالف قرار دیا جائے گا۔ تو اسی طرح اگرچہ حدیث کا ترجمہ ہوگیا ہے مگر پھر بھی آپ کو اجتہاد کرنا اور علماء سے مزاحمت جائز نہیں اور جس طرح حکام کی مخالفت کرنیوالا واقع میں گورنمنٹ کی مخالفت کرنیوالا ہے اسی طرح علماء کی مخالفت کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت کرنا ہے اور علماء کی مخالفت کرکے یہ عذر کرنا کہ ہم خدا اور رسول کے خلاف نہیں کرتے، نہایت نازیبا اور ریچ عذر ہے۔

علماء کی پیروی

الحمد للہ یہ امر بہت خوبی کے ساتھ طے ہوگیا اور آپ کو معلوم ہوگیا کہ آپ کو سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ علماء کا اتباع کریں میں کہتا ہوں کہ آپ کو علم دین سے اتنی بھی مناسبت نہیں جتنی کہ ہر شخص کو طب کے ساتھ ہوتی ہے۔ چونکہ طب سے تو ہر ایک شخص کو کم و بیش مناسبت ہوتی ہے اور تجربہ بھی ہوتا ہے۔ برخلاف علم دین کے کہ وہاں کسی تجربہ کام نہیں دیتا تو جتنی طب کے ساتھ مناسبت ہے اتنی بھی دینیات کے ساتھ نہیں مگر باوجود اس کے کتنا بڑا کوئی شخص ہو۔ مگر جب بیمار ہوگا طبیب ہی سے رائے لے گا۔ کبھی طب کی کتابیں دیکھ کر مسہل نہ لے گا اگر یہ بھی معلوم ہوجائے کہ صفراء کا فساد ہے جب بھی اپنی

رائے سے علاج نہیں کرے گا۔ لیکن کسی نے ایسا کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کی ہمت نہیں ہوتی اگر کوئی یہ رائے دے بھی کہ طبیب کی کیا ضرورت ہے تو نہ کہیں گے کہ بغیر طبیب کے علاج نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنی عقل اور رائے سے خدا جانے کیا خرابی پیدا ہو۔ اس کے راز سے طبیب ہی واقف ہیں۔ پس طب میں تو باوجود مناسبت ہونے کے اپنی رائے کا اعتبار نہیں ہوتا۔ مگر علم دین میں باوجود مناسبت نہ ہونے کے ہر شخص اجتہاد کرنے لگتا ہے تو گویا شریعت کوئی راز ہی نہیں ہے اور وہ ایسی پامال اور معمولی شئی ہے کہ اس کے لئے علم کی ضرورت ہی نہیں کہ ہر شخص خود اس کو سمجھ سکتا ہے حالانکہ جیسے وہاں کوئی کیسا ہی عاقل سے عاقل ہو۔ مگر بدون اتباع طبیب کے چارہ نہیں اسی طرح امور شریعت میں سوائے اتباع علماء دین کے چارہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ غیر ماہر کو ماہر کا اتباع کرنا ضروری ہے پس عقلی طور پر ثابت ہوگیا کہ علماء کا اتباع آپ کو ضروری ہے اور وہ جو احکام بتلاتے ہیں۔ وہ درحقیقت خدا اور رسول کے احکام ہیں پس جب یہ خدا اور رسول کے احکام ہیں تو ہر مسلمان کو ان کا اتباع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے خدا اور رسول کا اتباع کرنا ضروری ہے۔ (اتباع المنیب ص۱۴)

(۱۰) طاعون میں اعمال کی خرابی

آج کل تواس مذاق ہی کے لوگ کم ہیں

آج کل تو اس مذاق ہی کے لوگ کم ہیں جو ان مصائب کو اعمال کی خرابی کی منسوب کریں، بلکہ بہت لوگ ان کو اسباب مادیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہوا بگڑ گئی اس سے طاعون ہوگیا۔ میں اس کا انکار نہیں کرتا کہ طاعون میں ہوا بگڑنے کو دخل نہیں ممکن ہے کہ اس کو بھی دخل ہو مگر میں یہ کہتا ہوں کہ آپ شریعت کے بتلائے ہوئے سبب کا کیوں انکار کرتے ہیں کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک چیز کے متعدد اسباب ہوں۔ ایک سبب قریب ہو ایک سبب بعید۔ ایک سبب ظاہری ہو ایک سبب حقیقی ہو آپ کہتے ہیں ہوا بگڑنے سے طاعون ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ظاہری سبب ہے۔ حقیقی سبب اس کا یہ ہے کہ آپ نے گناہوں کی کثرت کی اس کا انکار آپ کس دلیل سے کرتے ہیں۔ میں اس مقصود کے واضح کرنے کے لئے ایک مثال بیان کرتا ہوں اس سے آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ ظاہری سبب اور حقیقی سبب میں کیا فرق ہے۔

مثلاً ایک شخص کو پھانسی ہوگئی اور وہ مرگیا اب دو شخصوں میں گفتگو ہوئی کہ اس کی پھانسی کا سبب کیا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ صرف اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کسی طرح سے تختہ کے اوپر پہونچ گیا اور رسی پھندا اس کے گلے میں پڑگیا پھر کسی طرح تختہ اس کے نیچے سے الگ ہوگیا تو اس کا گلا گھٹ گیا اور مرگیا۔ ایک دوسرے شخص نے کہا کہ اس پھانسی کا سبب یہ ہے کہ اس نے ایک جرم کیا تھا۔ اس وجہ سے اس پر حاکم نے ناراض ہوکر پھانسی دلوادی۔ توکیا اس پر وہ پہلا شخص یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ تم سائنس کے منکر ہوکہ اس کی موت کا سبب تو انخناق (یعنی گلا گھٹ جانا) اور تم جرم کو اس کا سبب بتلاتے ہو کیا اس جرم نے آکر اس کا گلا گھونٹ دیا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہ اعتراض کبھی نہیں کرسکتا اور اگر کوئی احمق یہ اعتراض کرے بھی تو تمام مخلوق اس کو پاگل بنائے گی اور یہ کہے گی کہ تیرا یہ کہنا صحیح ہے کہ موت کا سبب انخناق ہے مگر اس کا اصلی سبب تو حاکم کا حکم ہے اور اس حکم کا سبب اس کا جرم ہے۔

غرض اس اختلاف میں ہر عاقل یہی کہے گا کہ وہ شخص سچا حق پر ہے جو یہ کہتا ہے کہ اس سبب طبعی کا سبب خود اس کا فعل ہے ورنہ پھانسی تو پہلے سے بھی موجود تھی۔ پہلے سے وہ کیوں نہ مرگیا۔ اور اب بھی موجود ہے پھر اس سے روزانہ موتیں کیوں نہیں ہوتیں۔ تو صاحبو! غضب کی بات ہے کہ اس شخص کو تو محقق سمجھا جاوے کہ علماء کو جو کہ طاعون کا سبب آپ کے گناہوں اور افعال کی خرابی کو بتلاتے ہیں۔ غیر محقق کہا جاوے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جس کو کوتاہ نظر کہا جاتا ہے اسی کی نظر کو دوسری جگہ عالی نظر کہا جاتا ہے۔ غضب ہے کہ دین ہی کے موقع پر سب لوگ بیہوش ہوجاتے ہیں۔

ایک حکایت

اس پر مجھے ایک دوست کی بیان کی ہوئی حکایت یاد آئی ہے کہ انہوں نے لاہور کے پاگل خانے میں ایک مجنون کو دیکھا کہ وہ سب باتیں ٹھکانے کی کرتا تھا جس سے کسی کو بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ پاگل ہے مگر جہاں اس کا نام اس کے سامنے لیا گیا اس پر جنون سوار ہوا۔ یہی حالت آجکل ہمارے بھائیوں کی ہے کہ جب تک ان کے سامنے دین کا نام نہ لو تو عاقل بھی سمجھدار بھی سب کچھ ہیں مگر جہاں دین کا نام کسی نے لیا اور وہ کوتاہ نظر ہوا۔ صاحبو!

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جو شخص پھانسی کا سبب ڈکیتی بتلاتا ہے اس کو تو تم عاقل کہتے ہو اور اسی کی نظیر وہ عالم شریعت ہے جو طاعون کا سبب آپ کی بدعملی کو بتاتا ہے یہ شخص عالی نظر کیوں نہیں چونکہ یہ دین کا معاملہ ہے اس لئے اس میں علماء کو تو کوتاہ نظر سمجھا جاتا ہے اور اس شخص کو عالی نظر سمجھا جاتا ہے جو جراثیم وطاعون کا سبب بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اچھا ہم نے مانا کہ طاعون کا سبب آب وہوا کا خراب ہونا ہی سہی لیکن یہ تو بتاؤ کہ آب وہوا کے خراب ہونے کا سبب کیا ہے اگر اس کا کوئی بھی سبب ہے تو پھر اس کا کیا سبب ہے کیونکہ ہر حادث کی انتہا ایک قدیم پر ضروری ہے تو اس کی انتہا بھی قدیم ہوگی اور قدیم پر انتہا نہ مانو تو تسلسل لازم آئے گا کیونکہ ہر حادث علت اور سبب کا محتاج ہوتا ہے اور تسلسل محال ہے تو منتہا ہونا ضروری ہے اور منتہا ہونے کے قابل سوائے مشیت الٰہی کے اور کوئی چیز نہیں تو جس طرح حاکم نے پھانسی کا حکم دیا تھا جس سے مجرم ہلاک ہوا اسی طرح حق تعالیٰ نے کارکنانِ قضاء وقدر کو حکم دیا کہ آب وہوا کو خراب کردو۔ انہوں نے آب وہوا خراب کردی جس سے چوہے مرنے لگے اور طاعون پھیل گیا۔ اب جیسا کہ وہاں ایک سچے مخبر کی ضرورت ہے جو یہ بتلادے کہ چونکہ اس شخص نے جرم کیا تھا۔ اس وجہ سے حاکم نے پھانسی کا حکم دیا اسی طرح یہاں بھی ایک سچے مخبر کی ضرورت ہے جو یہ بتلادے کہ گناہوں کی وجہ سے یہ بلائیں نازل ہوئی ہیں۔ تو سنو! وہ سچا صرف قرآن ہے جس میں حق تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے۔ وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ کہ تم کو جو کچھ مصیبت پہونچتی ہے تمہارے ہاتھوں کی کرتوت سے پہونچتی ہے اور حق تعالیٰ بہت سے گناہوں سے درگذر بھی کرجاتے ہیں پس یہ کیوں نہ کہا جاوے کہ سبب اس طاعون کا ہماری بدعملی اور سیہ کاری ہے (الاسراف ص ۶)

(۱۱) مصیبت اگر گناہ ہونے کی وجہ سے آتی ہے تو کفار پر آنی چاہیئے

مصائب کا سبب جیسا کہ گناہ ہے اسی طرح رفع درجات بھی اس کا سبب ہے بعض دفعہ امتحان اور آزمائش کے لیئے اور درجات بلند کرنے کے لئے بھی بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ سنئے! حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ط (الآیۃ)

ترجمہ:۔ کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ جنت میں ویسے ہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم کو وہ حالت پیش نہیں آئی ہے جو پہلے لوگوں کو پیش آچکی ہے کہ ان کو لڑائی اور تکلیف پہونچی اور وہ یہاں تک جھڑ جھڑائے گئے کہ رسول اور ان کے ساتھ والے مسلمان کہنے لگے کہ دیکھئے اللہ کی مدد کب آتی ہے تو سن لو اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں۔ حتّٰی اذا استیئس الرسول وظنوا انھم قد کذبوا جاءھم نصرنا فنجی من نشاء ولا یرد باسنا عن القوم المجرمین۔

ترجمہ:۔ یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہو گئے اور کفار نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا اس وقت ہماری مدد آئی تو جن کو ہم نے جن کو چاہا ان کو نجات دی گئی اور باقی لوگ ہلاک کئے گئے اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ٹل نہیں سکتا۔

ان آیتوں سے حاصل مشترک اتنا ثابت ہوا کہ پہلے زمانے میں حضرات مقبولین پر اور ان سے بڑھ کر رسولوں کا طبقہ ہے جن میں معصیت کا احتمال ہی نہیں ان پر ایسے ایسے مصائب آئے کہ رسول گھبرا کر کہنے لگے متٰی نصر اللہ کہ خدا کی مدد کب آئے گی حتّٰی اذا استیئس الرسل ای من ایمان قومھم۔ یہاں تک کہ رسول اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور انبیاء علیہم السلام کی یہ حالت نہ تھی کہ ایک وعظ کہہ کر جو دیکھا کہ لوگ جنید بغدادی نہیں ہوئے تو ان کی اصلاح سے ناامید ہو جائیں بلکہ حالت یہ تھی کہ ایک مدت مدید تک وعظ کہہ کر بھی ناامید نہ ہوتے تھے۔ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو نصیحت کی اور ناامید نہ ہوئے۔ جب اتنی مدت میں بھی ان پر

کچھ اثر نہ ہوا تب ان کے ایمان سے مایوس ہوئے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کتنی مدت دراز تک اپنی قوم سے مایوس نہ ہوتے تھے تو اتنی طویل مدت کے بعد نصرتِ خداوندی نازل ہوتی تھی اور اس وقت تک انبیاء اور مومنین مصیبتیں ہی جھیلتے تھے وظنوا انھم قد کذبوا کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں اور بعضے سخت اور مشکل ہیں۔ مگر سہل یہ ہے کہ ظنوا کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار نے یہ کہا کہ ہم مکذوب ہیں یعنی رسولوں نے جو ہم کو عذاب کی دھمکی دی ہے وہ جھوٹ بات ہے اگر سچی ہوتی تو اس مدت دراز میں عذاب کے کچھ تو آثار معلوم ہوتے۔

انبیاء پر مصائب

غرض ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور پہلے مقبولین ایک مدت تک "مستھم الباساء والضراء" کی حالت میں اور ایسی ایسی بڑی مصیبتوں میں رہے کہ ایسی مصیبتیں ہم لوگوں کو کبھی پیش بھی نہیں آتیں مگر آج ترکوں[1] کی ذرا سی حالت میں لوگوں کو خدا تعالیٰ سے بدگمانی ہونے لگی۔ یاد رکھو! خدا تعالیٰ پر کبھی کسی کو بدگمانی کا حق نہیں۔ ان کی حکمتوں کے راز کسی کو کیا معلوم۔ آپ اپنے خانگی معاملات کے راز اپنے نوکروں کو نہیں بتلاتے تھے حالانکہ آپ میں اور ان میں بہت تقارب ہے مگر اس کے باوجود بھی اپنا بھید آپ نوکروں کو نہیں بتلاتے تو خدا کیوں آپ کو اپنے معاملات کے راز بتلا دیں آپ میں اور خدا میں تو کچھ بھی مناسبت نہیں "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"، اسی کو حافظ فرماتے ہیں ؎

؎ حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمار

بہر حال حق تعالیٰ کی حکمتیں ہیں جن کی وجہ سے مقبولین پر بھی وہ مصائب نازل کرتے ہیں ؎۔

جان صدیقاں ازیں حسرت بریخت ۔۔۔ کاسماں بر فرق ایشاں خاک بیخت
زاں بلاہا کانبیاء برداشتند ۔۔۔ سر بچرخ ہفتمیں افراشتند۔

[1] جس زمانے میں یہ وعظ ہوا تھا اس زمانہ میں ترکی جنگ کفار سے جاری تھی۔ بعض دفعہ بہت متوحش خبریں آتی تھیں کہ ترک مغلوب ہو گئے۔ ۱۲ محمد علی

درجات کی بلندی

یہ گویا رفع درجات ہے ان بلاؤں سے مقبولین کے درجے بلند ہوتے ہیں، نیز اس میں مجاہدہ اضطراریہ بھی ہے کہ مصائب سے اخلاق درست ہوجاتے ہیں نفس کی اصلاح بہت کچھ ہوجاتی ہے۔ جب ہم لوگوں کو اپنے نفس کی اصلاح اور درستگی اخلاق کی خود فکر نہیں ہوتی تو حق تعالیٰ مجاہدہ اضطراریہ سے ہماری اصلاح فرماتے ہیں۔ آپ ان شکستوں کی خبروں سے یہ سمجھتے ہیں کہ ترک مغلوب ہوگئے مگر آپ کو کیا معلوم ہے کہ اس سے جو ان کی نفس کی اصلاح ہوتی ہوگی وہ کتنی فتوحات کا پیش خیمہ ہوگی یہی حال طاعون میں سمجھنا چاہیئے کہ مسلمانوں میں طاعون کا زیادہ پھیلنا اس کی دلیل نہیں ہوسکتا ہے کہ معاذ اللہ مسلمان خدا تعالیٰ کے نزدیک ان کافروں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ کبھی مسلمانوں کے درجے بلند کرنے اور ان کو شہادت کے مرتبے دینے منظور ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں طاعون زیادہ پھیلتا ہے۔ حدیث میں صاف تصریح ہے المطعون شہید یعنی طاعون میں مرنے والا شہید ہے اسی لئے جو لوگ اس راز کو سمجھتے ہیں وہ ہر بلا سے خوش ہوتے ہیں نہ وہ شکشت وہزیمت سے گھبراتے ہیں نہ طاعون سے پریشان ہوتے ہیں اور یوں کہتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود برجانِ من ۔
دل فدائے یار دل رنجان من ۔

اور دوسروں کو بھی اسی کی وصیت کرتے ہیں کہ محبوب حقیقی سے راحت میں اور رنج میں غرض ہر حال میں خوش رہنا چاہیئے ؎

؎ بس زبون وسوسہ باشی ولا ٭ گر طرب را باز دانی از بلا ۔

یعنی دونوں حالتوں میں کچھ فرق نہ ہونا چاہیئے یہ سمجھ کر کہ ہر حالت محبوب ہی کی طرف سے ہے دونوں پر راضی رہنا چاہیئے توخواہ کلفت ظاہری ہو یا باطنی وہ ہر ایک پر راضی رہتے ہیں اور باطنی کلفت پر راضی رہنا یہ بہت بڑا صبر ہے کیونکہ ظاہری کلفت میں صرف جسم کو تکلیف ہوتی ہے روح کو بشاشت رہتی ہے اور باطنی کلفت میں یہ وہم ہوجاتا ہے کہ میں مردود ہوگیا جیسا کہ حالت قبض میں ایسا ہوتا ہے اور یہ خیال سالک کے لئے سخت ہے سو یہاں روح ہے مگر وہ اس پر بھی راضی رہتے ہیں ؎

باغبان گر پنج روزے صحبت گل بایدش ٭ بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال ٭ مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

آگے اسی کی تتمیم کے لئے کہتے ہیں ؎

تکیہ بر تقویٰ ودانش در طریقت کافریست
راہرو گر صد ہنر دارد، توکل بایدش

یہ اسی لئے کہا ہے کہ کبھی ذاکر کو یہ خیال ہوجاتا ہے کہ میں اتنا کام کرتا ہوں اتنا مجاہدہ کرتا ہوں پھر یہ پریشانی کیوں ہے تو کہتے ہیں ؎ ع

"راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش" (الاسراف ص۱۱۱ تا ۱۱۴)

خلاصہ یہ ہے کہ مقبولین پر بھی کلفتیں آتی ہیں ظاہر پرستوں کو اس سے شبہ ہوجاتا ہے کہ اگر گناہوں کی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں تو انہوں نے کیا گناہ تھا بلکہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ نیک بندے اور مقبولین کو فقر وفاقہ وغیرہ کی تکلیف زیادہ رہتی ہے اور رند، بازاری لوگ ہر طرح عیش اور مزے میں زندگی گذارتے ہیں۔ یعنی ظاہری عیش ان کو زیادہ ہوتا ہے کھانے پینے میں تنگی نہیں ہوتی مگر یہ شبہ لغو ہے کیونکہ دنیا میں عادۃ اللہ یہ ہے کہ سب نعمتیں ایک شخص کو نہیں دی جاتی کسی کو ظاہری عیش نصیب ہوتا ہے کسی کو باطنی عیش عطا فرماتے ہیں ایسے بندے بہت کم ہیں جن کو دونوں عیش نصیب ہوں اسی کو ایک محقق کہتے ہیں ؎

؎ کم عاقل عاقل اعیت مذاھبہ ٭ وجاھل جاھل تلقاہ مرزوقا
ھذا الذی ترک الاوھام حائرۃ ٭ وصیر العالم النحریر زندیقا

خوشحالی وبدحالی

یعنی دنیا میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض عاقل کامل تنگی میں ہیں کہ ان کو کوئی ذریعہ معاش میسر نہیں، اور جاہل کامل صاحب نصیب اور وسعت رزق سے مالا مال ہے۔ اس بات نے عقلوں کو حیران کردیا۔ اور بعضے متبحر عالم اس سے زندیق ہوگئے۔ نعوذ باللہ من ذلک ،،

ایک واقعہ

سو یہ مسئلہ ایسا باریک ہے کہ اس سے ہزاروں عالم بد دین ہوگئے مگر جس کو خدا بچائے وہ بچ سکتا ہے۔ اس پہنچنے پر مجھے ایک حکایت یاد آگئی کہ ایک درویش تھے جو چلے جارہے تھے۔ ایک شہر میں پہونچے تو وہاں پھاٹک بند دیکھا۔ پوچھا کہ بھائی پھاٹک بند کیوں ہے۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ کا

باز چھوٹ گیا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے جائیں تاکہ باز باہر نہ چلا جائے ۔ درویش کو بادشاہ کی حماقت پر بہت تعجب ہوا۔ یہ ناز میں آکر کہنے لگے کہ واہ اللہ میاں نے اچھے کو بادشاہی دے رکھی ہے۔ ایک ہم ہیں کہ پاؤں میں جوتیاں تک سالم نہیں۔ بعض اہل اللہ پر ناز کی شان غالب ہوتی ہے ۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ اس کی سلطنت مع اس کی حماقت کے تم کو دیں، اور تمہاری صلاحیت اور عقل معہ تمہارے فقر وفاقہ کے اس کو دیدیں ۔ درویش ڈر گیا اور کانپ گیا کہ کہیں . . . . سار ی عمر کی کمائی سلب نہ ہو جائے۔ اللہ میں اس پر راضی نہیں ہوں میں اپنی حماقت سے توبہ کرتا ہوں ۔

سو واقعی عقل وہ دولت ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہے اگر ایک عاقل تنگدست ہو اور ایک بیوقوف مالدار ہو تو عاقل کو غور کرنا چاہیئے کہ میرے پاس عقل کی کتنی بڑی دولت ہے۔ (ایضاً ص۱۵ تا ۱۶)

عقل کا تبادلہ دولت سے

الغرض ان درویش کو یہ کہا گیا تھا کہ کیا تم راضی ہو کہ تمہارا فقر وفاقہ اور صلاحیت اور علم بادشاہ کو دیدیا جائے اور اس کی سلطنت اور حماقت تم کو دیدی جائے اسی طرح جو لوگ کفار کی ثروت اور عیش کو دیکھ کر اور اپنی مصیبت وتکلیف پر نظر کر کے للچائے اور خدا تعالیٰ کی شکایتیں کرتے ہیں ان کو سمجھنا چاہیئے کہ اگر حق تعالیٰ کفار کا کفر اور ثروت وعیش ان کو دیدیں اور ان کا فقر وفاقہ وایمان ان کو دیدیں تو کیا تم اس پر راضی ہوں گے، اگر اس پر راضی نہیں ہو سکتے اور یقیناً کوئی مسلمان اس پر راضی نہ ہوگا تو ان کو خدا تعالیٰ کی شکایت کرتے ہوئے ڈرنا چاہیئے۔ اور اپنے ایمان کی دولت پر خدا کا شکر کرنا چاہیئے ۔

امام غزالی کا قول

علامہ غزالی لکھتے ہیں کہ جس عالم کو یہ تمنا ہوتی ہے کہ مجھے مال کیوں نہیں ملا تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ بادشاہ نے مجھے گھوڑا تو دیدیا گدھا کیوں نہیں دیا۔ گدھا بھی مجھے دو۔ تو اس کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ جب تمہیں گھوڑا مل گیا تو گدھا کسی دوسرے کو دیدیا جائے گا ۔ اسی طرح یہ استدلال ہے کہ ہمیں علم ملا تدبیر ملی تو مال بھی ملنا چاہیئے سو اس کو جاننا چاہیئے کہ یہ اس کی غلطی ہے

جب تم کو علم دیا گیا ہے تو مال کسی دوسرے کو ملے گا پس جو لوگ اس راز کو سمجھ گئے وہ ایسی تمنا سے بچ گئے ورنہ زندیق ہونے میں کوئی تعجب ہی نہیں ۔

مصیبت کیوں آتی ہے

غرض یہ شبہ اس لئے واقع ہوا تھا کہ آپ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مصیبت ہمیشہ گناہ ہی سے آتی ہے حالانکہ کبھی رفع درجات کے لئے بھی آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کو کوئی تاویل سمجھے ۔ تو بات یہ ہے کہ محبت میں سب باتیں ظاہر ہے ورنہ کچھ بھی نہیں اگر خدا تعالیٰ سے تعلق اور لگاؤ ہو تو ہر مسئلہ میں انسان کی تسلی ہو سکتی ہے طبیعت خود بخود راہ نکال لیتی ہے اور اگر تعلق نہ ہو تو سچی بات بھی تاویل معلوم ہوتی ہے ۔ اگر اس تقریر سے کسی کی تسلی نہ ہوئی ہو تو وہ یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ حکیم ہیں اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور حکمت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس عالم میں ہر چیز کسی سبب اور علت کے ساتھ وابستہ ہے پس لامحالہ مصائب اور تکالیف کا بھی کوئی سبب ہونا چاہیئے۔ مگر کبھی تو ایسا ہوتا ہے . . . . کہ ایک مسبب کے لئے ایک ہی سبب ہوتا ہے اور کبھی ایک مسبب کے لئے کئی سبب ہوتے ہیں جیسے چلنا کہ اس کے کئی سبب ہوتے ہیں کبھی نماز کیلئے چلتے ہیں کبھی قضاحاجت کے لئے کبھی کسی پر ظلم کرنے کے لئے اور جیسے غصہ کہ کبھی دشمن پر آتا ہے جس کا سبب عداوت ہے اور کبھی کسی وجہ سے دوست پر بھی آتا ہے غرض ایک مسبب کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں اب بعض دفعہ ان اسباب میں سے ایک سبب ظاہر ہوتا ہے اور بقیہ اسباب ذرا خفی ہوتے ہیں تو کوتاہ نظر آدمی اسی ظاہری سبب کو سب سمجھ لیتا ہے اور باطنی اسباب پر اس کی نظر نہیں ہوتی تو اس لئے وہاں ضرورت ہوتی ہے جمیع اسباب کے احاطہ کی ۔ لیجئے میں اس کی ایک اور مثال بیان کرتا ہوں کہ مسبب واحد کے لئے کئی اسباب بھی ہوتے ہیں ۔

ایک مثال

مثلاً آپ کو ایک شخص نے بڑے زور سے دبایا اور ایسا دبایا کہ آپ کی ہڈی پسلی ٹوٹنے لگی ، تو دیکھئے دبانے کے اسباب جدا جدا ہیں ایک تو یہ کہ راستہ میں آپ کا کوئی دشمن ملا اس نے آپ کو کوئی تکلیف پہونچانے کے لئے دبایا۔ اور ایک تو صورت یہ ہے کہ آپ کو کوئی ایسا شخص ملا جس کے دیکھنے کو آپ ترستے تھے اور یہ امید بھی نہ تھی کہ آپ کو وہ ہاتھ بھی لگائے گا۔ دفعۃً

وہ شخص بیخبری میں آپ کو دبالے اور بہت زور سے دبوچے ممکن ہے کہ جب تک آپ کو یہ علم نہیں کہ دبانے والا کون ہے اس وقت آپ کو تکلیف اور پریشانی رہے مگر جب یہ معلوم ہو جائے کہ دبانے والا کون ہے اس وقت آپ کیا کہیں گے ؎

اسیرت نخواہد رہائی زبند ؎ شکارت نجوید خلاص از کمند

اگر تھوڑی دیر کے بعد آپ کی جان پر ترس کھا کر خود چھوڑنا بھی چاہے کہ مبادا کہیں آپ مر نہ جائیں تو آپ یہ کہیں گے ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور یہ کہیں گے ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

تو دیکھئے مسبب واحد ہے اور سبب مختلف ہے مگر ہر ایک کا اثر جدا ہے جو دبا و عداوت کی وجہ پڑا اس کا دوسرا اثر ہے اور جو محبت کی وجہ سے ہے اس کا دوسرا اثر ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ایک مسبب کے لئے مختلف اسباب بھی ہوا کرتے ہیں تو اب سنئے کہ آپ نے اب تک صرف ایک سبب کو سنا ہے مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ کہ جو مصیبت آتی ہے وہ انسان کی بداعمالی کی وجہ سے آتی ہے۔

انبیاء کرام پر مصائب

دوسرا سبب بھی تو سنئے! حدیث میں ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل کہ سب سے زیادہ سخت بلا انبیاء علیہم السلام پر آتی ہے پھر ان لوگوں پر جو ان کے بعد دوسروں سے افضل ہوں وعلیٰ ہٰذا معلوم ہوا کہ کلفت کا سبب فقط ایک ہی نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام یقیناً گناہوں سے معصوم ہیں تو ان پر گناہوں کی وجہ سے کلفت و رنج کا آنا ممکن نہیں لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ کبھی رفع درجات کے لئے بھی کلفت پیش آتی ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت گناہ ہی کی وجہ سے آتی ہے کیونکہ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ سے عموماً مستفاد ہوتا ہے اور فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ سے ظاہراً حصر معلوم ہوتا ہے اب اس آیت اس حدیث سے تعارض ہو گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا رفع

درجات کے لئے بھی آتی ہے اور ظاہر ہے کہ حدیث و قرآن میں تعارض کے وقت قرآن ہی کو ترجیح ہوگی پس یہی ثابت ہوا کہ گناہ کی وجہ سے مصیبت آتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ تعارض کچھ نہیں اور اس شبہ تعارض کا جواب خود اس آیت میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ کہ جو کچھ تم کو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے کرتوت سے آتی ہے تو یہاں مصیبت کا لفظ ہے اور حدیث میں مصیبت کا لفظ نہیں ہے وہاں بلاء کا لفظ ہے پس آیت کا حصر بالکل صحیح ہے کیونکہ مصیبت مذنبین ہی کو آتی ہے اور اہل مصیبت گنہگار ہی لوگ ہیں ان پر جب مصیبت آتی ہے گناہوں کی وجہ سے آتی ہے اور مقبولین اہل مصیبت نہیں ہیں، وہ اہل بلا ہیں ان پر جب بلا آتی ہے رفع درجات اور ازدیاد محبت کے لئے آتی ہے اور مصیبت اور بلا میں صورتاً فرق کم ہوتا ہے۔ ظاہر میں دونوں ایک ہی معلوم ہوتے ہیں مگر آثار میں دونوں کے بڑا فرق ہوتا ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں کی حقیقت بھی الگ الگ ہے پس مصیبت کی حقیقت ہے سزا اور انتقام اور بلا کی حقیقت ہے محبوبانہ چھیڑ چھاڑ اور امتحان، محبوب کے دبانے اور بھینچنے کو مصیبت کوئی نہیں کہا کرتا پس انبیاء اور مقبولین پر بلا آیا کرتی ہے مصیبت نہیں آیا کرتی اور بلا کے معنی لغت عربی میں آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے دو شخصوں کے برابر بخار آتا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ صادر ہوتے تھے ہرگز نہیں آپ گناہوں سے بالکل معصوم تھے اور اگر کوئی لغزش اپنے درجہ کے مناسب ہو بھی گئی تو پہلے ہی سے اگلی پچھلی سب خطائیں معاف ہو جانے کی خوشخبری آچکی تھی۔ اس لئے آپ میں تو یہ احتمال کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا پس وجہ وہی ہے کہ بیماری میں ذرا انسان پر عجز و انکسار اور آہ کرنا، کراہنا غالب ہوتا ہے اور یہ ادا حق تعالیٰ کو پسند ہے اس ادا کے دیکھنے کے لئے مقبولین پر بلا بھیجتے ہیں اور کبھی صبر کا امتحان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تو جب یہ بات ہے کہ کلفت کے اسباب مختلف ہوں۔ تو لازمی طور پر آثار بھی مختلف ہونگے اہل مصیبت یعنی اہل معصیت ذرا سی تکلیف سے بہت زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں چنانچہ ایسے ہی لوگ طاعون سے بھاگتے ہیں اور کوئی شخص طاعون کی جگہ سے آیا ہو اس سے بھی بھاگتے ہیں کہ یہ طاعون کی جگہ سے آیا ہے شاید اس کو طاعون لپیٹ رہا ہو اور اس کے پاس جانے سے ہمارے اوپر بھی اثر نہ ہو جائے۔ بھلا اس وہم کا کچھ

ٹھکانا ہے بات یہ ہے کہ معاصی کا یہ خلاصہ ہے کہ اس سے دل کمزور ہو جاتا ہے اس لئے اہلِ معصیت کا دل بہت کمزور ہو جاتا ہے۔

طاعون سے بھاگنے والا

ایک شخص طاعون سے بھاگ کر ایک گاؤں ایک شخص کے مکان پر ٹھہرا اور تھا نمازی مسجد میں نماز کے لئے جاتا تو اس مسجد میں بعض پرانے نمازیوں نے نماز کے لئے آنا چھوڑ دیا۔ اس شخص کی کتنی بڑی ذلت ہے تو بات یہ ہے کہ طاعون سے بھاگنے والا کی کسی جگہ جا کر عزت نہیں ہوتی جس میں راز یہ ہے کہ یہ شخص خدا تعالیٰ سے بھاگتا ہے اس پر مجھے یہ شعر یاد آیا کرتا ہے ؎

؎ عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اور جو لوگ کہ اپنے گھر میں پڑے رہتے ہیں ان کی آخرت میں تو عزت ہوتی ہی ہے کہ طاعون کی جگہ ایمان اور ثواب کی نیت سے جمے رہنے پر شہادت کا ثواب ملتا ہے چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح ہے مگر اس کے علاوہ ان لوگوں کی دنیا میں بھی عزت ہوتی ہے کہ لوگ ان کو قوی القلب اور مستقل المزاج سمجھتے ہیں بہر حال اہل ذنوب کو پریشانی ہوتی ہے اور جہاں کلفت کا سبب رفع درجات ہوتا ہے وہاں آثار بھی دوسرے ہوتے ہیں کہ نہ وہ پریشان ہوتے ہیں نہ گھبراتے ہیں چاہے ان کے جسم میں تکلیف ہو مگر روح خوش رہتی ہے۔ روح کے لئے ایک عید ہوتی ہے کیونکہ "از محبت تلخہا شیریں شود"، اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ اس مسرت کو بیساختہ ظاہر کر دیتے ہیں ورنہ روح کو تکلیف دینے کی حالت میں مسرت کب ظاہر ہوتی ہے۔ پھر سب سے بڑی مصیبت جس کو ام المصائب کہنا چاہیئے۔ موت ہے کہ اس پر کوئی راضی نہیں ہوتا چنانچہ اگر کسی سے یہ کہا جاوے کہ تمہارے لئے دو صورتیں ہیں یا تو اسی وقت مر جاؤ یا ایک برس تک بیمار رہو۔ ان دونوں میں سے جس کو چاہو اختیار کر لو تو غالباً ہر شخص اتنی مدت مدید تک مریض رہنے پر راضی ہو جائے گا۔ مگر موت پر ہرگز راضی نہ ہوگا مگر اہل اللہ کی یہ حالت ہے کہ وہ خود موت کے مشتاق رہتے ہیں ؎ وہ حضرات یوں کہتے ہیں ؎

؎ خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جاں طلبم در پے جاناں بروم

نذر کردم گر آید بسر ایں غم روزے
تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

خوشی بوقت موت

وہ تو موت کے وقت کے لئے نذریں مانتے ہیں۔ اس پر شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ حجرہ میں بیٹھ کر ایسا کہدیا ہوگا مگر جب نزع کا وقت آیا ہوگا۔ اس وقت ساری حقیقت معلوم ہو گئی ہوگی۔ اس وقت یہ سب باتیں بھول گئے ہوں گے۔ تو حضرت یہ بات نہیں واقعات سے ان حضرات کی حالت سچی معلوم ہوتی ہے۔ اور یقیناً وہ موت کے وقت بھی ایسے ہی خوش تھے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسی کی تعلیم کرتے آئے ہیں کہ زندگی ایسی اختیار کرو کہ مرنے کے وقت سب لوگ تمہاری فرقت میں رو رہے ہوں اور تم وصال خداوندی کے سرور میں ہنس رہے ہو چنانچہ ایک قطعہ اس مضمون کا مجھے یاد آیا۔ فرماتے ہیں ؎

یاد داری کہ وقت زادن تو
ہمہ خنداں بدند تو گریاں

یعنی پیدائش کے۔ ۔ ۔ ۔ وقت تم روتے ہوئے آئے تھے اور اعزار واقارب ہنس رہے تھے خوشیاں منا رہے تھے ؎

آنچناں زی کہ وقت مردن تو
ہمہ گریاں شوند تو خنداں

زندگی ایسی ہی اختیار کرو کہ مرتے وقت اور سب تو روئیں اور تم ہنستے ہوئے جاؤ چنانچہ ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ بعض اہل اللہ مرنے کے وقت بالکل شاد و خرم نظر آتے ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے نزع کے وقت سب تو رو رہے تھے اور ان کی یہ حالت تھی کہ وہ بیساختہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم
جسم بگذارم سراسر جان شوم

اب وہ وقت آ گیا کہ میں قید جسم سے آزاد ہو جاؤنگا۔ بدن کو چھوڑ کر سرتاپا روح بنکر وصال حق سے سرفراز ہو جاؤں گا۔ تو صاحبو! نزع کے یہ مستی بناوٹ سے نہیں ہو سکتی اور اگر ہو سکتی ہے تو کوئی کر کے دکھلا دے اور فرماتے ہیں ؎

چیست توحید آنکہ از غیر خدا
فرد آئی در خلا و در بلا

بعد موت کا حال

یہ تو آپ نے موت کے وقت کا حال سنا اور اس سے بھی زیادہ سخت وقت موت کے بعد کا ہے کہ وہی وقت

ہے مصیبت کا جو کچھ ثواب و عذاب ہوگا موت کے بعد ہی تو ہوگا۔ مگر اہل اللہ کی حالت اس وقت بھی عجیب ہوتی ہے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں وہ اور بھی زیادہ خوش رہتے ہیں۔

حضرت سلطان الاولیاء کی حکایت ہے کہ جب ان کا جنازہ چلا تو ان کے ایک مرید پر حالت طاری تھی۔ کیونکہ شیخ کے انتقال کا صدمہ مریدوں سے زیادہ کس کو ہوسکتا ہے غرض جنازہ جارہا تھا کہ اس مرید نے جنازہ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا ؎

سرو سیمینا بصحرا ے می روی | سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو | تو کجا بہر تماشا می روی۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ کفن میں سے آپ کا ہاتھ اونچا ہوگیا لوگوں نے کہا کہ کیا غضب کرتے ہو چپ رہو۔ اس واقعہ سے کچھ تعجب نہ کرنا چاہیئے کیونکہ مرنے کے بعد انسان کو دوسری حیات عطا ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ سب کچھ احساس کرسکتا ہے اور یہ حیاتِ اولیاء میں عوام سے زیادہ ہوتی ہے تو کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ اس حیات کا اثر بطور کرامت کے جسم پر بھی ظاہر ہوجاوے مگر یہ کبھی کبھی ہوتا ہے۔

غرض خدا نے ظاہر کردیا کہ اب یہ لوگ اس قدر مطمئن ہیں کہ ان کو مرنے کے بعد بھی وجد آتا ہے چنانچہ ارشاد ہے اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ تو صاحبو! ان حضرات کو مصیبت کہاں ہوتی جن باتوں کو آپ مصیبت سمجھتے ہیں ان میں تو ان کو لذت آتی ہے۔ (ایضاً ص۱۷ تا ۲۳)

بددینی کا اثر

لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں آج کل اخلاص ہے اس لئے ان کی حالت خراب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صاحبو! افلاس کا ڈر نہیں۔ اصل میں اس خرابی کا سبب بددینی ہے۔ آپ یورپ کو دولت مند سمجھتے ہیں مگر کیا اس میں سب ہی دولتمند ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ان میں بھی کتنے آدمی سردی سے مرجاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی قوم کی حالت اچھی ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ان میں ہر شخص دولت مند ہو بلکہ حالت درست ہوتی ہے افعال حسنہ اور اخلاق حمیدہ سے جس قوم میں یہ باتیں ہونگی اس کی حالت درست ہوگی چاہے وہ کیسی ہی مفلس قوم ہو شاید آپ یہ کہیں کہ اہل یورپ تو کافر ہیں وہ تو دیندار نہیں ہیں پھر ان کی حالت ترقی پر کیوں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ

چونکہ وہ کافر ہیں خدا کے دشمن ہیں اس لئے اگر وہ تھوڑے سے کام بھی اچھے کریں گے تو انکی حالت دنیوی درست ہوجائے گی۔ ان میں اتفاق اور اتحاد اور قومی ہمدردی بہت زیادہ ہے۔ دوسرے ان میں ہر کام کا ایک انتظام اور قاعدہ ہے اور یہ باتیں فی نفسہ اصلاح حال میں مؤثر ہیں جو اصل میں مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہیئے تھیں۔ کیونکہ ان کو مذہباً اس کی بہت تاکید کے ساتھ تعلیم کی گئی ہے مگر مسلمانوں نے ان باتوں کو چھوڑ دیا دوسری قوموں نے ان سے فائدہ اٹھایا مگر یہ یاد رہے کہ مسلمانوں کی حالت صرف اتفاق و اتحاد سے درست نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ان کو پوری طرح احکام اسلام کی پابندی اور وقعت کرنا لازم ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اگر یہ تھوڑی سی بھی نافرمانی کریں گے تو ان پر غصہ زیادہ ہوگا تو صاحبو! اگر اپنی بھلائی چاہتے ہو تو دینداری اختیار کرو۔ ابھی تک مسلمانوں میں اتنی فلاکت کسی میں نہیں ہوئی کہ تباہ ہوجاوے اور اگر ان میں اتفاق ہو تو ایک کی امارت سے دس آدمی کھا سکتے ہیں مگر آج ہمدردی تو کیا ہوتی مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ غریبی کو جرم قرار دیتے ہیں حالانکہ غریبی اور امیری کسی کے اختیار میں نہیں آج ایک شخص امیر ہے کل کو غریب ہوجاتا ہے۔ آج ایک آدمی غریب ہے چند روز میں حق تعالیٰ اس کو غنی کردیتے ہیں۔

مالداری کا مشاہدہ

میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے کہ وہ چھ پیسے روز کی کنڈے اٹھانے کی مزدوری کماتے تھے پھر وہ لاکھوں روپے کے آدمی ہوگئے اب بھلا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ تدبیر سے اس درجہ کو پہنچ گئے ہرگز نہیں بلکہ یہ محض مشیت الٰہی کی وجہ سے ہوا۔ میں کہا کرتا ہوں، جو لوگ تدبیر پر مرتے ہیں وہ ایک آدمی کو بجائے چھ پیسے روز کے تین آنے دیں اور وہ تمام تدبیریں بتلادیں جن سے بظاہر پہلے شخص کو ترقی ہوئی پھر ہم دیکھیں کہ دوسرا شخص کتنی ترقی کرتا ہے اگر اس طرح ترقی ہوا کرتی تو ہر شخص دوسروں کی تدبیروں کو دیکھ کر امیر ہوجایا کرتا درحقیقت فراخی اور تنگی کا مدار ان اسباب پر نہیں ہے مشیت الٰہی پر ہے دوسرے کسی قوم میں افلاس اتنا عام نہیں ہوتا کہ سبھی مفلس ہوں بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر قوم میں کچھ غنی ہوتے ہیں کچھ مفلس ہوتے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں ہی کی حالت خراب ہے سو بات یہ ہے کہ ان میں افعال حسنہ

اور اخلاق حمیدہ کی کمی ہے پس اصل شکایت ان کی بد دینی کی ہے۔ (ایضاً ص۲۴ تا ۲۵)

صورت و حقیقت

تو ان حضرات پر اگر مصیبت آوے گی تو یہ کوئی مصیبت ہے ہرگز نہیں۔ ہاں مصیبت کی صورت ہے حقیقت میں وہ ہرگز مصیبت نہیں میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص مٹھائی کا کریلا بنا دے اور اس کے متعلق دو شخصوں میں اختلاف ہوا ایک تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ کریلا ہے اور دوسرا سمجھتا ہے کہ یہ مٹھائی ہے اب دوسرے نے اس کو توڑ کر کھانا شروع کیا تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ کریلا کھا رہا ہے۔ ہرگز نہیں درحقیقت وہ مٹھائی کھا رہا ہے ہاں صورت کریلا کی ہے جس سے نادان کو شبہ ہوتا ہے کہ اس کا منہ کڑوا ہو گیا ہوگا۔ مگر اس کھانے والے سے کوئی اس کے مزے کو پوچھے۔ بس یہی مثال اہل اللہ کی مصیبت اور عوام کی مصیبت کی ہے اہل اللہ پر جو مصیبت آتی ہے وہ کریلے کی صورت میں مٹھائی ہے جس سے ان کو لذت حاصل ہوتی ہے اور عوام کی مصیبت حقیقت میں کریلا ہے جس سے ان کو تلخی اور پریشانی حاصل ہوتی ہے۔

میں نے اس مثال میں ایک باریک مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا۔ آپ رات دن دیکھتے ہیں کہ مٹھائی کے کھلونے اور مختلف پھل بنائے جاتے ہیں۔ مگر وہ محض صورت ہی صورت ہوتی ہے حقیقت میں وہ خاص شکر ہے۔ میں نے سنا ہے کہ محمود آباد میں ایک باورچی نے مٹھائی کا انار بنایا تھا جو ڈیڑھ سو روپے میں تیار ہوا تھا اس کے اندر زرد جھلی اور دانوں میں سرخ شربت تک تھا۔ اور یہ تو میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک دعوت میں باورچیوں نے مٹھائی کا پان بنایا تھا۔ تو کسی نے اگر ایسا ہی کریلا بنایا ہو اور ایک شخص اس کو کھانے لگے اور دوسرا اس پر رحم کرنے لگے تو یہ اس کی حماقت ہے یا نہیں۔ یقیناً حماقت ہے تو جس طرح کریلے کی دو قسمیں ہیں۔

مصیبت کی قسمیں

اسی طرح مصیبت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صورتاً ایک حقیقتاً۔ اور نعمت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صورۃً اور ایک حقیقۃً۔ کفار کو جو دولت دنیوی اور عیش و آرام دیا گیا ہے یہ ظاہری نعمت ہے حقیقت میں یہ سب وبال جان ہے اور مسلمانوں کو جو مصیبت پیش آتی ہے وہ ظاہری مصیبت ہے۔

حقیقت میں وہ بڑی نعمت ہے۔ صاحبو! اس کو وہ سمجھے گا جو اس مزہ کو پہلے چکھ چکا ہو اور جس نے باطنی دولت کا مزہ نہیں چکھا وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا ؂

پرسید یکے کہ عاشقی چیست　　گفتم کہ چو ما شوی بدانی!

بچہ کے ختنہ کی مثال

کیا آپ نے ختنہ کے وقت یا فصد کراتے وقت بچوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ سو بچے کے دل سے پوچھئے وہ اس کو کیا سمجھتا ہے وہ تو اس کو سخت مصیبت کہے گا مگر آپ کے نزدیک وہ مصیبت نہیں راحت ہے ؂

طفل می لرزد زنیش احتجام　　مادر مشفق ازاں غم شاد کام

کیا آپ نے کبھی اپنے یا اپنے کسی عزیز کے نشتر نہیں لگوایا اور کیا پھر نشتر دینے والے کو انعام نہیں دیا۔ ضرور دیا ہے تو کیا نشتر دینے کے وقت کی تکلیف دیکھ کر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے انعام کا کام نہیں کیا؟ ہرگز نہیں آپ کا دل جانتا ہے کہ اس نے بڑا احسان کیا اور بہت راحت پہونچائی کہ آئندہ کی تکلیف سے نجات دیدی کہ نشتر دینے کے وقت آپ کے آنسو بھی نکلے ہوں گے تب بھی دل اندر سے راضی ہوگا۔

معلوم ہوا کہ بعض مصائب ایسے بھی ہیں جو صورت میں مصیبت ہیں اور حقیقت میں راحت معلوم ہوتے ہیں پس اہل اللہ کے مصائب کو بھی ایسا ہی سمجھئے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان تکالیف کی وجہ سے ہماری آخرت درست ہو رہی ہے جتنی ہم کو یہاں کلفت ہوتی ہے اسی قدر عذاب جہنم سے ہم کو نجات نصیب ہوتی ہے تو وہ ان تکالیف کو بالکل ویسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ آپ نشتر کی تکلیف سمجھتے ہیں آپ نشتر کی تکلیف پر دل سے راضی ہیں وہ فقر و فاقہ اور طاعون وغیرہ کی تکلیف سے دل سے راضی ہیں۔ اب یہ شبہ زائل ہو گیا کہ انبیاء و اولیاء تو گناہوں سے معصوم و محفوظ ہوتے ہیں ان پر یہ مصیبتیں کیوں آتی ہیں معلوم ہو گیا کہ ان حضرات پر واقع میں مصیبت ہی نہیں اور جو واقع میں مصیبت ہے وہ بداعمالیوں ہی سے آتی ہے۔

(ایضاً ص۳۱ تا ۳۳)

۱۲ - حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں کوتاہی

جو طبائع زمانے کے جدید رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ان میں تو یہ کوتاہی شاہد ہے کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسرے اقوام یا مذاہب سے مقابلہ کی گفتگو کے موقع پر آپ کی سوانح عمری میں سے یا آپ کے بعض اقوال یا افعال کی حکمتوں میں سے (خواہ ان کی حقیقت تک ان کے ذہن کی رسائی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو) صرف وہ حصہ جس کو تمدن سے تعلق ہے محض اس غرض سے بیان کر دیتے ہیں کہ آپ کی عظمت اور آپ کے قانون کی عزت ظاہر ہو جائے اور اسی کو اسلام کی خدمت اور آپ کے ادائے حقوق کے لئے کافی سمجھتے ہیں باقی نہ اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں نہ محبت کا کوئی اثر پایا جاتا ہے بلکہ اتباع کو تعصب اور محبت کو وحشت سمجھتے ہیں۔ اور سبب خفی اس کا یہ ہے کہ اس زمانے میں سب سے بڑا مقصد جاہ و عزت کو قرار دیا گیا ہے جس کے مطلوب ہونے کا ہم کو بھی انکار نہیں مگر کلام اس میں ہے کہ آیا وہ مطلوب بالغرض ہے یا خود مطلوب بالذات ہے بہر حال چونکہ اس کو کمال بالذات سمجھا جاتا ہے اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لاتعد ولاتحصیٰ کمالات حقیقت عظیم الشان میں سے ان کی نظر اسی کا انتخاب کرتی ہے اور دوسرے کمالات کا مثل محبت الٰہی و خشیت الٰہی و زہد و صبر و تربیت روحانی و مجاہدہ و شغل بحق و دیگر فضائل علمیہ و عملیہ کا کبھی انکی زبان پر نام بھی نہیں آتا جس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ گویا آپ خاص اسی غرض کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے کہ ایک جماعت کو قوم بنا کر اس کو دنیوی ترقی کے وسائل کی تعلیم فرما دیں تاکہ وہ دوسری قوموں پر سابق و فائق رہ کر دنیا میں شوکت کے ساتھ زندگی بسر کریں کیا قرآن مجید و حدیث شریف میں گہری نظر کرنے والا آپ کی تعلیم کا یہ خلاصہ نکال سکتا ہے ان صاحبوں کو اپنی اصلاح کرنے کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ علماء محققین و عرفاء محققین کی طول صحبت و ملازمت کا التزام کریں اور انکی خدمت میں کچھ عرصہ تک بالکل سکوت اختیار کر کے رہیں خود ان کے اقوال متفرقہ و ارشادات مختلفہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ ایک بڑی فہرست خیالات کی درست ہو جائے گی اس کے بعد جو شبہات رہ جائیں ان کو ادب کے ساتھ ان کے حضور میں پیش کریں۔ اور توجہ و انصاف کے ساتھ

جواب سنیں۔ ان کو اس زمانۂ سکوت میں جو اصول و قواعد سننے اور ذہن نشین کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ اصول ان جوابوں کے سمجھنے میں نہایت معین ہوں گے اور اطمینان و شفاءِ کلی میسر ہو گی۔ اس طریق اصلاح کو جو مجرب ہے سرسری خیال نہ فرمائیں۔ اور نیز حدیث میں کتاب الرقاق و کتاب الزہد کا بار بار مطالعہ فرمائیں۔

(الشذور فی حقوق بدر البدور ص۳ تا ۴)

ایسے لوگ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں حقوق میں تقصیر کئے ہوئے ہیں متابعت و محبت کا موجود نہ ہونا تو ظاہر ہے اور اوپر اس کو صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے البتہ ان کے اس عمل سے کہ ان کی زبان یا قلم سے بعض ایسے مضامین صادر ہوتے ہیں کہ ان سے آپ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید وہ آپ کا حق عظمت ادا کرتے ہیں لیکن اگر ذرا نظر کو عمیق کیا جاوے تو ثابت ہو گا کہ یہ احتمال بھی واقعیت نہیں رکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جس عظمت میں گفتگو ہو رہی ہے وہ وہ عظمت ہے جس کے ساتھ آپ حامل وحی ہونے کی حیثیت سے متصف ہیں اور ان لوگوں کی تحریر و تقریر میں نظر کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلوب میں جو آپکی عظمت ہے وہ اس حیثیت سے نہیں بلکہ ایک حکیم تمدن ہونے کی حیثیت سے ہے کیونکہ ان دونوں عظمتوں کے آثار کا موجود نہ ہونا ہمارے دعویٰ کی دلیل ہے چنانچہ اعتقاد عظمت نبوی کے آثار یہ ہیں کہ آپ کے احکام سنتے ہی یہ معلوم ہو کہ گویا حق تعالیٰ نے ہم سے خود فرما دیا ہے اور یہ کہ اس حکم کے قبول کرنے میں حکمت و مصلحت سمجھنے کا ہرگز انتظار نہ ہو بلکہ اگر بادی النظر میں کسی حکمت کے خلاف بھی معلوم ہو تب بھی اسی خوشی سے قبول کرے جیسا حکمت معلوم ہونے کے وقت کرتا اور نہ . . . . بدون حکمت سمجھے ہی اس حکم کی وقعت میں کچھ کمی ہو بلکہ جس طرح ادنیٰ خدمتگار شاہی حکم سن کر مغلوب و دالہ ہو کر دیوانہ وار اس کی بجا آوری کے لئے دوڑتا ہے اسی طرح اس کی کیفیت ہو جاوے اور یہ کہ اس کے خلاف کا مستحسن ہونا خیال میں بھی نہ آوے بلکہ اجمالاً یوں سمجھے کہ بس تمام خیر و برکت اور حکمت و مصلحت اور فلاح و صلاح اسی میں منحصر ہے خواہ ہمارا ذہن کوتاہ اس کی تفصیل تک پہونچے یا نہ پہونچے۔ بقول حضرت عارف گنجوی رحمۃ اللہ علیہ

بینگیختن علت از کارِ تو ... دلِ تازہ کردن باقرارِ تو !

اور صرف حکیم تمدن ہونے کے لحاظ سے جو اعتقاد و عظمت ہوتا ہے اس کے آثار یہ ہیں کہ حکم سن کر اتنا ہی اثر ہو جو ایک مخلوق ذی رائے کی رائے کو سن کر ہوتا ہے۔ اور یہ اسلئے قبول کرنے میں یا اس کو بنظر وقعت دیکھنے میں اس کا بھی انتظار ہو کر اس میں عقلی (اور عقلی بھی دنیوی) مصلحت کیا ہے۔ جب تک مصلحت معلوم نہ ہو اس میں سخت تردد و خلجان رہے اور ہرگز اس پر عمل کرنے میں شرح صدر نہ ہو خود بھی ایک قسم کی تنگی اور جبر و تحکم کا سا اثر رہے اور دوسروں کے سامنے بھی اس کا دعویٰ کرتے ہوئے ایک گونہ خجلت اور بے وقعتی کی سی کیفیت رہے اور بار بار اس حکم کی جانب مخالف کی ترجیح کا ہجوم اور اس کی تمنا کا قلب پر غلبہ رہے اور ہرگز اس کے صحیح ہونے کا دل کھول کر حکم نہ کر سکے بلکہ اس فکر میں رہے کہ کسی طرح اس کا شرعی ہونا ثابت نہ ہو اور جب اور کچھ نہ ہو سکے تو بعض تاویلات سے اس حکم کے شرعی ہونے کا انکار کر دے کبھی اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے میں شبہات پیدا کرے بلکہ اس کو راویوں کی نقل کی غلطی یا ان کی رائے کی آمیزش کا اثر بتلادے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کو تسلیم کر کے خود آپ کی نسبت کسی ضرورت و مصلحت کے وقت کے اتباع کا دعویٰ کرے اور چونکہ وہ مصلحت باقی نہیں رہی لہٰذا اس حکم کو بھی موجود نہ سمجھے غرض ہزاروں حیلے نکالے مگر اس حکم کو نہ مانے (اور یہ ان میں سب سے زیادہ سلیم و صالح طبائع کا حال ہے) اور یہ وہ مراتب ہیں جو کم و بیش کفر سے سب ملے ہوئے ہیں کوئی صریح کفر کوئی خفی کفر ہے۔ کوئی کفر بننے کو ہے کما لا یخفیٰ علی المتفطن السلیم جب دونوں اعتقادوں کے آثار جُدا جُدا معلوم ہو گئے۔ آگے ہر شخص کو مشاہدہ سے اپنے اندر بھی اور غیر کے اندر بھی ان کے آثار کا وجود و عدم معلوم ہو سکتا ہے اور اس سے ہمارے دعویٰ سابقہ کا صدق بخوبی واضح ہو جاوے گا (اس مضمون کی شرح زیادہ تحقیق کے ساتھ مطلوب ہو تو مضمون عظمت وحی رقمزدہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دامت فیوضہم جو القاسم کے نمونہ میں شائع ہوا ہے ملاحظہ فرمالیا جاوے)

احکام شرعیہ کی حکمت

ہماری اس تقریر کے یہ معنی نہ سمجھے جائیں کہ احکام شرعیہ حکمت سے خالی اور عاری ہیں۔ حاشا و کلا بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا اتباع اور ان کی خاص عظمت کا اعتقاد فہم حکمت پر موقوف

نہ ہونا چاہیئے۔ ہاں وہ خود ایک مستقل علم ہے کہ اس کو اسرار شریعت کا لقب دیا جاتا ہے مگر اس کے اہل خواص عارفین ہیں عوام الناس کو اس سے بجائے نفع کے ضرر کا احتمال غالب ہے کئی وجہ سے ایک یہ اس لئے کہ ان میں سب تو منصوص ہیں نہیں۔ اجتہادی بکثرت ہیں جن میں احتمال بھی ہے۔ سو اگر کبھی اس کا غیر صحیح ہونا ظاہر ہو گیا اور عامی کے خیال میں اس حکم کی وہی حکمت یقینی تھی تو اسکے صحیح نہ ہونے سے اس حکم کو غیر صحیح سمجھ بیٹھے گا۔ (بخلاف خواص کے کہ وہ اس کو یقینی علت اور مبنیٰ حکم کا نہ سمجھیں گے اسلئے حکم میں ان کو کبھی کوئی خدشہ نہ ہو گا)۔

دوم۲ اسلئے کہ کبھی کوئی مبنیٰ اور حکمت صحیح معلوم ہو گی لیکن بعض اوقات وہ وجہ اور حکمت اس عامی کی نظر میں باوقعت نہ ہو گی تو اس حکم کو بھی بے وقعت سمجھنے لگے گا۔

سوم۳ اسلئے کہ ہر حکمت علت نہیں ہوتی۔ بعض اوقات عامی اس کو علت اور اصلی سبب سمجھ کر کسی موقع میں اس کے موجود نہ ہونے سے حکم ہی کے غیر موجود ہونے کا حکم لگا دے۔

چہارم۴ یہ کہ ہر حکمت مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ بعض اوقات عامی اس کو مقصود بالذات سمجھ کر کسی موقع و محل میں حکمت کے حاصل ہو جانے کو کافی سمجھ کر تحصیل حکم ضرورت نہ سمجھے گا اور ان دونوں صورتوں (سوم و چہارم) میں اجتہاد باطل کا باب وسیع ہو جائیگا مثلاً سفر میں مشقت پر نظر کر کے قصر کا حکم لگا دیا گیا ہے۔ لیکن یہ علت نہیں حتیٰ کہ اگر سفر میں مشقت بھی نہ ہو تب بھی قصر ہے اور اسی طرح وضو مشروع ہوا ہے حکمت نظافت و طہارت سے لیکن اگر طہارت و نظافت حاصل ہو تب بھی وضو سے استغناء نہ ہو گا۔

پنجم۵ یہ کہ عامی مخالف دین کے مناظرہ میں اس کو بیان کرے گا اور اگر وہ یقینی نہیں تو اس میں مخالف نے اگر خدشہ نکال دیا۔ تو یہ مغلوب ہو جائے گا اور اس میں اسلام کو اور حق کو صدمہ پہونچے گا۔ مثلاً کسی نے کتا پالنے کی ممانعت کی یہ حکمت بیان کی کہ اس میں صفت سبعیت کی ہوتی ہے۔ تو اگر کسی نے اس میں یہ خدشہ پیدا کیا کہ تعلیم کے بعد سبعیت نہیں رہتی پھر کیوں ممنوع ہے تو یہ شخص بزبان حال اس حاکم کو بے بنیاد

کہے گا۔ بخلاف راسخ فی العلم کے کہ وہ بجائے حکمت کے یہ کہے گا کہ ہمارے آقائے عظیم الشان کا یہ حکم ہے کہ ہم نہیں جانتے کیا مصلحت ہے۔ تو اس شخص پر کوئی خدشہ ہی نہیں ہو سکتا۔

(ایضاً ص۸تا۸)

۱۳- ترقی مطلوبہ کی شریعت نے تعلیم نہیں فرمائی۔

ترقی نہایت خوبصورت لفظ ہے لیکن اس وقت اس کا ماحصل محض طول امل و حریص ہے جسکی شریعت مطہرہ نے جڑ کاٹ دی ہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نمونے تھے انہوں نے اس کو اپنے خیال میں کبھی جگہ نہیں دی۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کی تعلیم نہیں فرمائی حضورؐ کی سیر جس کا ایک ایک واقعہ احادیث میں مدون ہے اس کو دیکھ جائیے ابتدا سے انتہا تک کہیں بھی آپ کو یہ تعلیم نہ ملے گی۔ رہے تاریخی واقعات سو ان کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ احادیث کے مطابق ہوں تو قابل اخذ ہیں ورنہ ہیچ محض۔ (تجارت آخرت ص۲)

غرض حدیث کو دیکھئے تو اس سے معلوم ہوگا کہ آپ کا طرز زندگی کیا تھا اور وہی طرز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ تو صحابہ کے یہاں طول حرص اور طول امل کا نشان بھی نہ تھا ان کی ترقی ترقی دین تھی اگرچہ اس کے تابع ہو کر ان حضرات کو دنیا کی بھی وہ ترقی حاصل ہوئی کہ آج لوگوں کو خواب میں نصیب نہیں لیکن مطمح نظر صرف ترقی دین تھی چنانچہ ان حضرات کی اسی شان کو خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دے دیں تو یہ لوگ اس وقت بھی نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اچھی باتوں کی ترغیب دیں اور بری باتوں سے روکیں۔ یہ ہے ان کے خیالات کا نقشہ جس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اب ان کو یاد رکھئے اور پھر انکے ساتھ اپنے خیالات کو دیکھئے اور انطباق کیجئے۔ واللہ ایسا دشوار انطباق ہے جیسے

خط مستقیم پر خط منحنی کو منطبق کرنے لگے کہ جب تک اس میں استقامت اور اعوجاج باقی رہے گا۔ کبھی انطباق ممکن ہی نہیں تو ہمارے خیالات خط منحنی کی طرح ہیں۔ اور ان حضرات کے خیالات کی مثال خط مستقیم ہے۔ بحمداللہ یہ مثال ایک خاص اعتبار سے بھی بہت ہی اچھی خیال میں آئی کیونکہ خط منحنی کے انطباق علی المستقیم کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بعض اجزاء تو خط مستقیم پر سے گذرے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض اجزا اس سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں یہی حالت ان خیالات مخترعہ کی ہے کہ ان میں اگر ایک قدم تو شریعت پر ہے تو دوسرے اس سے بالکل الگ جس کا کسی تاویل سے بھی جادۂ شریعت پر سے انطباق نہیں ہو سکتا۔ بس ایسے حالات و خیالات کس طرح قابل مدح ہو سکتے ہیں۔ (انطباق ص۴۳)

۱۴- محدثین پر اعتراض کا جواب

بعض خود رو مصنفین پر افسوس ہے کہ وہ محدثین پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے واقعات میں اپنی رائے کو شامل کیا ہے۔ لیکن جو شخص محدثین کے حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ محدثین علیہم الرحمۃ نے کس تدین سے کام لیا ہے البتہ یہ اعتراض مطابق واقع کے مؤرخین پر ضرور ہو سکتا ہے۔ صاحبو! محدثین کا تدین اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ ایک باب کی حدیث سے ایک بات کو ثابت کرتے ہیں تو اس کے بعد ہی دوسرا باب اس کا معارض صوری بیان کرتے ہیں اور اس میں بھی حدیث پیش کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ان حضرات کا مقصود محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا جمع کرنا ہے نہ کہ اپنی رائے کو ثابت کرنا، یا اس پر زور دینا۔ کیونکہ جب ایک حدیث کے ساتھ دوسری حدیث جو اس پہلی سے معارض ہے موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اس محدث کی رائے کسی ایک جانب ہوگی تو بصورت ایراد معارض کوئی خاص رائے کیونکہ مقصود ثابت ہو سکتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اپنی اغراض کی تائید مقصود نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود تمام احادیث کا لوگوں کے سامنے پیش کر دینا ہے کہ دیکھیں اور خوب سمجھ لیں۔ ہاں تاریخ میں اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں کہ ایک مؤرخ نے اپنے خیال کے مؤید واقعات کو لیا اور دوسرے نے اپنے خیالات کے مؤیدات کو، پس جب حدیث و تاریخ میں یہ تفاوت ہے تو حدیث قابل وثوق ہوا اور اس کے مقابل تاریخ قابل وثوق نہ ہوئی۔ تو جو واقعات

تاریخ میں حدیث کے خلاف ہوں گے اور حدیث ان کو باطل کرتی ہوگی تو وہ محض ہیچ ہیں ہرگز قابل قبول نہیں ۔ (ایضاً ص ۲)

۱۵-محتاج اصلاح دوسروں کی اصلاح کیا کرینگے؟

آج دیکھ لیجئے کہ ان مدعیان طبابت اخلاق کا کیا برتاؤ قوم کے ساتھ ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اپنے ساتھ بھی ان کو ہمدردی نہیں اور اپنے امراض کے علاج پر بھی توجہ نہیں ۔ اور یہی سبب ہے قوم سے ہمدردی نہ کرنے کا کیونکہ طبعاً اپنا خیر خواہ انسان زیادہ ہوتا ہے بلکہ دوسروں کی جو خیر خواہی کرتا ہے اس میں اپنی خیر خواہی مضمر ہوتی ہے پس جو شخص اپنا ہمدرد نہ ہوگا وہ دوسروں کا کیسے ہمدرد ہوگا ۔ یہ لوگ اول تو اپنی اصلاح کریں پھر دوسروں کی اصلاح حقیقی کی فکر کریں آج یہ حالت ہے کہ اظہار ہمدردی اسلام میں بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں انجمنیں قائم ہوتی ہیں مگر نہ نماز کی فکر ہے نہ روزے کا خیال ہے ۔ مال کی اتنی افراط ہے کہ دس آدمیوں کو اور بھی لے جا سکیں لیکن محبت اسلام کا یہ عالم ہے کہ خود بھی حج کرنیکی توفیق نہیں ہوتی ۔ وضع کو دیکھئے سر سے پاؤں تک اسلام کے بالکل خلاف گفتگو کو دیکھئے وہ مذہب سے بالکل جدا تو جب ان کو اپنے امراض کے ازالہ کی فکر نہیں تو پھر دوسروں کے امراض کے ساتھ ان کو کیا ہمدردی ہو سکتی ہے ۔ بات یہ ہے کہ ہر زمانے کی ایک رسم ہوتی ہے کہ اہل زمانہ اسی پر چلنے لگتے ہیں ۔ آجکل یہ رسم ہے کہ ہر مشہور یا غیر مشہور تحصیل شہرت یا تکمیل شہرت کی کوشش کرتا ہے اور اس کے ذرائع بہم پہونچاتا ہے ۔ منجملہ ان ذرائع کے ایک یہ بھی ہے کہ انجمنیں قائم کی جائیں اور جلسے کئے جائیں کوئی ان انجمنوں کا گورنر ہو جائے کوئی سکریٹری ۔ کوئی کچھ کوئی کچھ اور اس سے عام وخاص میں ان کو امتیاز ہو جائے پھر رسم بھی اگر شریعت پر منطبق ہوتی تو بھی نفع سے خالی نہ ہوتی کیونکہ وہ انطباق کی برکت سے ایک دن مبدل بحقیقت ہو سکتی تھی اور جب ظاہری انطباق علی الشریعت بھی نہ ہو تو سراسر مضر اور سم قاتل ہے اور یہی وجہ ہے کہ حکمائے امت نے عوام الناس سے اسی قدر کو کافی سمجھا ہے کہ وہ اپنی صورت ظاہری شریعت کے موافق بنالیں اور صورت عبادت کے پابند ہو جاویں کیونکہ وہ حضرات جانتے ہیں کہ یہ صورت ہی انشاء اللہ

ایک دن مبدل بحقیقت ہو جائے گی (تجارت آخرت ص ۵ تا ۶)

آجکل کے جلسے

خلاصہ یہ ہوا کہ آجکل کے جلسے اور انجمنیں بالکل رسم بلا معنیٰ ہیں اور صورت بھی ٹھیک نہیں اور لوگوں نے ان کو محض رسم سمجھ کر اختیار کیا ہے نفع پہونچانا ہرگز مقصود نہیں ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ یہ جب اپنا ہی دین برباد کر رہے ہیں تو دوسروں کو دینی نفع پہونچانے کا کب قصد کر سکتے ہیں ۔ اور اگر کہئے کہ یہ ایثار ہے کہ اپنے دین سے دوسروں کے دین کو مقدم کر رکھا ہے اس لئے باوجود اپنے دین کے قائم نہ کرنے کے دوسروں کے دین کی درستی کرتے ہیں تو سمجھو کہ ایثار کی اجازت دنیاوی منافع میں ہے دینی منافع میں نہیں یعنی اگر ہمارا کوئی دنیاوی نفع فوت ہو کر دوسرے کا نفع ہو جائے تو اس کو ایثار کہیں گے اور اگر دین تباہ ہو کر دوسروں کو نفع پہونچے تو یہ ایثار نہیں کہلائے گا ۔ ورنہ اگر دین کو تباہ کر کے بھی ایثار ہوتا تو باغی سب سے زیادہ صاحب ایثار ہونے چاہئیں اور ان کو سب سے زیادہ خیر خواہ سرکار کہنا چاہیئے کیونکہ ان میں اتنی بڑی ہمدردی وایثار ہے کہ انہوں نے اپنی جان بھی دیدی اور تمام منافع جو اطاعت سے ان کو پہونچتے وہ دوسری رعایا کے لئے چھوڑ دیئے صاحبو! یہ وہی ایثار ہے جو فرعون میں تھا دین چھوڑ کر دنیا پر قناعت کی ۔ (ایضاً ص ۷ تا ۸)

غرض جیسے فرعون کی ہمت تھی ویسی ہی آج کل کے ایثار والوں کی ہمت بھی ہے اور فرعون کی وہ ہمت ہمت کہلانے کے قابل نہیں ۔ تو ہمارا یہ ایثار بھی ایثار نہیں ہے بس معلوم ہوا کہ جو اپنا خیر خواہ نہیں ، وہ دوسروں کا بھی خیر خواہ نہیں ۔ تو ہم جو کچھ کر رہے ہیں محض رسم کے لئے کر رہے ہیں ۔ (ایضاً ص ۹) ۔

۱۶-علماء کا استیصال اسلام کا استیصال ہے،

آجکل ایک جماعت علماء کے استیصال کی فکر میں ہے اور طرح طرح کی تدبیروں سے ان کے اثر کے مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے برا بھلا بھی ان کو کہا جا رہا ہے مگر علماء اس بارے میں خاموش ہیں وہ بہت احتیاط کرتے ہیں ۔ وہ کسی کو بلا ضرورت برا نہیں

کہتے۔ مگراب ضرورت ہے کہ ان لوگوں کی رعایت نہ کی جائے جبکہ وہ ہماری رعایت نہیں کرتے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ عوام ان کی باتوں سے گمراہ ہو رہے ہیں یہ لیڈر دین کے دخل دیتے اور اپنی رائے سے جس طرح چاہتے ہیں، احکام میں تحریف کر دیتے ہیں اور عوام الناس میں صاف کہتا ہوں کہ یہ لوگ گمراہ ہیں مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ دین کا مدار اعتقاد پر ہے کہ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتقاد ہو اور رسول اعتقاد جبھی ہوگا جبکہ حاملان شریعت سے اعتقاد ہو کیونکہ عوام کو رسول کی معرفت علماء ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے جس نے علماء کو نہیں پہچانا وہ رسول کو نہیں پہچان سکتا۔ پس جو لوگ علم علماء کے استیصال کی فکر میں ہیں وہ خود مسلمانوں کی بلکہ عالم کے استیصال کی فکر میں ہیں۔

(المرابطہ ص۱۳، ۱۴)

حجرہ نشینوں کا جواب

بعض لوگ ان حجرہ نشینوں سے کہتے ہیں کہ تم بھی میدان میں نکلو حجرہ میں کیوں بیٹھے ہو۔ مگر ان سے کوئی پوچھے کہ حجرہ والوں کو میدان میں آنے کون دیتا ہے ان سے کام کون لیتا ہے اگر یہ میدان میں نکلیں گے تو شریعت کے اتباع کا حکم کریں جو آجکل لوگوں کے نزدیک تعصب اور تنگ خیالی ہے پھر تم خود ہی یہ کہو گے کہ یہ مولوی ہمارے کام میں روڑے اٹکاتے ہیں ان کو حلال وحرام جائز وناجائز ہی کی پڑی رہتی ہے اب میدان میں نکل کر نہ ان سے میدان کا کام ہوگا نہ خلوت کا دونوں سے گئے گذرے ہوئے۔ اس سے تو ان کا خلوت ہی میں رہنا اچھا اور تم کو کبھی خبر ہے جو لوگ میدان میں نکلے ہوئے ہیں وہ بھی ان حجرہ نشینوں ہی کی برکت سے کام کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ حجرہ والے ہر وقت مسلمانوں کی کامیابی اور صلاح وفلاح کی دعا کرتے رہتے ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

؎ ہر کہ تنہا نادر ایں راہ را برید ⁂ ہم بعون ہمت مرداں رسید

صاحبو! دین کا سمجھنا ان لیڈروں کا کام نہیں ہے بلکہ یہ انہیں لوگوں کا کام ہے جنہوں نے حجرہ میں بیٹھ کر چراغوں کا دھواں پھانکتا ہے۔ اور پانی کی جگہ تیل پی لیا ہے۔

بعض طلباء کو ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ مذاق میں ان کو کسی نے پانی کی جگہ تیل دیدیا۔ اور وہ مطالعہ میں ایسے مصروف تھے کہ ان کو اصلاً اس کی خبر نہ ہوئی۔ (ایضاً ص۲۲)

تو تدقیق اور تحقیق احکام ان علماء کا کام ہے لیڈروں کا کام نہیں غضب یہ کہ لیڈر علماء کا

کلام بھی تو نقل نہیں کرتے بلکہ اپنا کلام بیان کرتے ہیں اور اپنے کلام سے علماء کے کلام کو رد کرتے ہیں حالانکہ وہ اس بات کی بھی لیاقت نہیں رکھتے کہ علماء کے کلام کو سمجھ سکیں اس پر ان کا حوصلہ یہ ہے کہ علماء کو میدان میں نکلنے کی تاکید کرتے اور ان کو اپنی تقلید پر مجبور کرنا چاہتے ہیں صاحبو! میرے نزدیک اس وقت میدان میں نکلنے کا نہیں کیونکہ حدیث میں ہے ان رایت شحا مطاعا ودینا موثرۃ وھی متبعا واعجاب کل ذی رای برأیہ فعلیک بخاصۃ نفسک وامر العامۃ۔

اور میرے نزدیک آجکل یہ سب علامات موجود ہیں اسلئے آجکل گوشہ نشینی لازم ہے مگر میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتا اگر کسی عالی ہمت کے نزدیک ابھی ان علامات کے ظہور کا وقت نہ ہو تو بسم اللہ وہ میدان میں نکلے مگر پابجوں کو کیوں اپنے ساتھ کھینچتے ہیں آخر ایک کام یہ بھی تو ہے کہ خدا سے دعا کریں۔ تو ان کو اس کام کے واسطے رہنے دیں ایک جماعت اس کے واسطے بھی رہنا چاہیئے۔ یہ تقسیم عمل اچھی ہے مگر افسوس آجکل دعاء کو لوگ عمل ہی نہیں سمجھتے۔ (ایضاً ص۲۳ تا ۲۴)

۱۷- لیڈرانِ قوم کے طریقے

شریعت کی نظر میں

آج لیڈروں نے فلاحِ دنیا کے طریقے کچھ اور سوچے ہیں۔ یہ وہ صورت اختیار کرتے ہیں جو یورپ نے اور غیر اقوام نے اختیار کی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ تدبیریں فلاح دنیا میں موثر نہیں مگر یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمانوں کے واسطے مفید نہیں کیونکہ مسلمانوں میں ان تدابیر کی تاثیر سے ایک مانع موجود ہے وہ کیا؟ معصیت، خدا کی نافرمانی، اور یہ مانع کفار میں نہیں ہے کیونکہ وہ مکلف بالفروع نہیں وہ تو صرف ایمان کے مکلف ہیں ان کو کفر ہی کا عذاب ایسا سخت ہوگا کہ جس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ بقیہ اعمال کی بابت نہ ان سے بازپرس ہے نہ ان پر کوئی سزا ہے۔ اور مسلمانوں سے کفر کا عذاب تو ہٹا ہوا ہے کیونکہ وہ بحمد اللہ دولت ایمان سے مشرف ہیں اس لئے ان کے اعمال پر بازپرس وگرفت ہوتی ہے جب یہ ایسے طریقے فلاحِ دنیا کے لئے اختیار کرتے ہیں جو خدا کے حکم کے خلاف ہیں تو ان کو کامیابی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ان تدابیر کے اثر کو زائل کر دیتے ہیں تاکہ

دنیا میں میں مخالفت کی سزا بھگت لیں پس ان کی اور کفار کی ایسی مثال ہے جیسے لوٹی اور جوتا کہ لوٹی میں نجاست لگ جائے تو فوراً پھینک دی جاتی ہے اور اچھی طرح پاک کرنے کے بعد اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جوتے میں ناپاکی لگ جائے تو اس کو پھینکتے نہیں ہیں بلکہ رگڑ کر کام میں لے آتے ہیں۔ تو جس طرح ہر چیز کے پاک کرنیکا طریقہ مختلف ہے اسی طرح ہر قوم کی فلاح و ترقی کا طریقہ الگ ہے یہ ضروری نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو نافع ہو وہ سب ہی کو نافع ہو۔ اور اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ تدابیر ہم کو بھی نافع ہیں تب بھی ہم کو احکامِ الہٰیہ کا اتباع لازم ہے اور ان تدابیر غیر مشروعہ کا اختیار کرنا جائز نہیں۔ کیا شراب اور قمار وسود میں نفع نہیں، ضرور ہے خود نص میں ارشاد ہے۔ قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس (الآیۃ) مگر اس نفع کو لے کر کیا کریں جس کے ساتھ خدا کا غضب بھی ملا ہوا ہے اسلئے مسلمانوں کو وہی تدابیر اختیار کرنا چاہئیں جو شریعت کے موافق ہوں اس کی یہی صورت ہے کہ عمل کا اہتمام کیا جاوے۔ اب لیڈر تدابیر تو خلاف شرع کرتے ہیں اور علماء کی شکایت کرتے ہیں کہ یہ ہمارے ساتھ مل کر کام نہیں کرتے میں کہتا ہوں کہ اعمال غیر مشروعہ میں تو شرکت کر ہی نہیں سکتے اگر یہ اعمالِ مشروعہ بھی ہوں تب بھی یہ شکایت صحیح نہیں بھی کیونکہ مل کر کام کرنے کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ سب کے سب ایک ہی کام کو لپٹ جائیں بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کام کر دیئے جائیں جیسے لوہار، بڑھئی۔ معمار، مزدور سب مل کر مکان بناتے ہیں اس کے یہ معنیٰ تھوڑا ہی ہیں کہ ہر اینٹ کو لوہار بھی ہاتھ لگاتے بڑھئی بھی ہاتھ لگائے۔ بلکہ اپنے اپنے کام ہر ایک الگ کر رہا ہے پھر نتیجہ مجموعہ پر مرتب ہوتا ہے۔ اسی طرح لیڈر اگر شریعت کے موافق بھی تدبیر کریں تب بھی علماء کا یہ کام نہیں کہ وہ ان تدابیر میں عملی حصہ لیں بلکہ یہ کام عوام کا ہے یا لیڈروں کا علماء کا کام یہ ہے کہ جو تدبیر کرنا چاہو اول علماء سے استفتاء کر لو کہ جائز بھی ہے یا نہیں اور وہ اس کے متعلق حکم شرعی بتلادیں گے تم اس پر عمل کرو۔ تمام متمدن اقوام کا یہی طریقہ ہے کہ ان کے یہاں عملی محکمہ الگ ہوتا ہے یہ نہیں کیا جاتا کہ ایک کام کے لئے طلباء اور اساتذہ بھی اپنے پڑھنے میں بدستور لگے رہتے ہیں کام کرنے والی جماعت دوسری ہوتی ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر قسم کی فلاح اطاعت وعمل ہی سے حاصل ہوگی دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ اب چونکہ مسلمانوں نے عمل صالح ترک کر رکھا ہے تو دیکھ لیجئے کیسی فلاح ہو رہی ہے ہر روز پہلے سے بدتر ہے (المرابط ص ۴۸ تا ۵۱)۔

۱۸۔ غیر قوموں کی ترقی کا راز کیا ہے؟

آجکل ترقی کی پکار بہت ہے ہر شخص ترقی کا طالب ہے اور دوسری قوموں کی ترقی دیکھ کر مسلمانوں کے منہ میں پانی بھر بھر آتا ہے اور ان کے لیڈر بار بار اس میں غور کرتے ہیں کہ دوسری قوموں کی ترقی کا راز کیا ہے مگر اب تک حقیقت تک کوئی نہیں پہونچا۔ کسی نے کہا کہ یہ لوگ سود لیتے ہیں اس وجہ سے ترقی ہو رہی ہے مگر یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اگر اس میں یہ خاصیت ہوتی تو چاہیئے کہ جو مسلمان لیتے ہیں ان کو بھی ترقی ہوئی حالانکہ دوسری قوموں کے مقابلہ وہ بھی کچھ ترقی یافتہ نہیں ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ شریعت میں چونکہ تجارت کی بعض صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے اسلئے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے مگر یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ معاملات میں حدود شرعیہ کے پابند کتنے تاجر ہیں ذرا مجھے تو بتلاؤ انشاء اللہ دو چار کے سوا کوئی نہ ملے گا۔ پھر ان مسلمان تاجروں کو ترقی کیوں نہیں ہوتی یہ کون سے ناجائز معاملات کو چھوڑ دیتے ہیں غرض سب کی مشق اسلام پر ہے کہ مذہب ہی ترقی سے مانع ہے۔ (العبرۃ بذبح البقرۃ ص ۴۴)

غیر قوموں کی جو باتیں ترقی میں دخیل ہیں وہ دوسری ہیں وہ ان کی خاص صفات ہیں جو انہوں نے آپ ہی کے گھر سے لی ہیں۔ مثلاً منتظم ہونا مستقل مزاج ہونا۔ پابند وقت ہونا۔ متحمل ہونا، انجام کو سوچکر کام کرنا صرف جوش سے نہ کام کرنا، ہوش سے کام لینا۔ آپس میں اتفاق واتحاد کرنا۔ ایک دوسرے کے راز کو چھپانا۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جن کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔ اور ان احکام میں یہ خاصیت ہے کہ ان کے اختیار کرنے سے ترقی ہوتی ہے خواہ کوئی بھی اختیار کرے اب مسلمانوں نے تو ان احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ نہ ان میں اتفاق واتحاد ہے نہ رازداری کا مادہ ہے نہ انتظام ہے نہ وقت کی پابندی ہے نہ انجام بینی ہے جو کام کرتے ہیں جوش سے کرتے ہیں ہوش سے نہیں کرتے، اسلئے ان کو تنزل ہے اور غیر قوموں کے ان کے گھر سے چرا کر ان باتوں پر عمل شروع کر دیا تو ان احکام کی خاصیت ظاہر ہوئی کہ ان کو ترقی ہونے لگی۔ پھر یہ سرقہ ناقص ہے کیونکہ چور کو گھر کے اندر کی سب چیزیں معلوم نہیں ہوا کرتیں۔ اس کو وہی چیزیں ہاتھ لگتی ہیں جو ظاہر ہوں (یا تالے کنجی میں ہوں) دبے ہوئے خزانے کی اطلاع اسے نہیں ہوا کرتی۔ اسلئے وہ پارس کی پتھری

جوآپ کے گھر میں تھی اس کی انہیں خبر نہیں ہوئی مگر انہوں نے بیکار سمجھ کر اس کو چھوڑ دیا کیونکہ پارس کی پتھری دیکھنے میں تو پتھری ہی ہوتی ہے۔ اس کی خاصیت جسے معلوم ہو وہی اسکی قدر جان سکتا ہے ناواقف کے نزدیک کانچ کا ٹکڑا اور بلور کا پتھر برابر ہے وہ پارس کی پتھری آپ کے گھر میں کیا ہے؟ ایمان و توحید و اعتقاد و رسالت نماز و روزہ وغیرہ۔ افسوس آپ کو اپنے گھر کی قدر نہیں اگر آپ میں وہ صفات ہوتیں جو دوسری قومیں آپ سے لے لی ہیں تو پارس کی پتھری کیساتھ مل کر آپ کو وہ ترقی ہوتی جو غیر قوموں کے خواب میں بھی کبھی نہ آئی ہوگی۔ آپ کو وہ عروج حاصل ہوتا جو آپ کے اسلاف کو حاصل تھا کوئی ان کے ساتھ آنکھ نہ ملا سکتا تھا۔ مگر آجکل مسلمانوں کو اس ارشاد الٰہی پر نظر نہیں۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا ط یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئًا (الاٰیۃ) اور یہ سمجھتے ہی نہیں کہ ان کاموں کو بھی ترقی میں کچھ دخل ہے حالانکہ اس آیت میں ایمان و عمل صالح پر صاف صاف وعدہ ہے استخلاف فی الارض اور تمکین کا۔ مگر مسلمانوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ نماز روزہ اور ایمان میں بھی کچھ قوت ہے اور اس سے بھی ترقی ہوتی ہے۔ افسوس جس خزانے کو چور نے ناواقف ہو کر یا بیکار سمجھ کر چھوڑا تھا اس کی قیمت و قوت سے خود گھر والے بھی آج ناواقف ہیں یا بعض اعتبار سے یوں کہتے کہ بیکار ہی سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کی حالت

مگر ایسوں کو تو مسلمان بھی نہ کہنا چاہیئے۔ یہ کاہے کے مسلمان جو روزہ کو بیکار سمجھیں مگر ایسے تو دو چار ہی نکلیں گے زیادہ وہی ہیں جو اپنے خزانے کی قیمت سے ناواقف اور اس کی طاقت سے بیخبر ہیں اسلئے ان اعمال کی بیقدری کرتے ہیں۔ کوئی مسلمانوں کی حالت کا متبع کرے تو ان میں ہزاروں ایسے نکلیں گے جن کو کلمہ بھی نہیں آتا۔ اور لاکھوں ایسے ملیں گے جو نماز کو جانتے بھی نہیں کہ کس چیز کا نام ہے اور بہت سے ملیں گے جو کبھی سال میں ایک دو دفعہ پڑھ لیتے ہیں کبھی جی چاہا جمعہ کو بھی مسجد میں آجاتے ہیں اور جو تھوڑے سے اللہ کے بندے پانچوں وقت کی نمازوں کے پابند ہیں ان میں بھی قاعدے کے ساتھ صحیح طور پر ادا کرنے والے بہت کم ہیں کسی کا رکوع غلط ہے کسی کا سجدہ کسی کا قومہ مفقود ہے کسی کا جلسہ، ایک گڑبڑ کر رکھی ہے۔ تو اب آخر یہ کیا ہے؟ بیقدری ہے یا نہیں۔ اور بخدا یہ بیقدری اسی واسطے ہے کہ نماز کو صرف ثواب کا

کام سمجھ رکھا ہے اس کے دنیوی منافع کی ان کو خبر نہیں۔ بلکہ بعض جاہل تو نماز روزہ کو دنیوی ترقی سے مانع سمجھتے ہیں اور اگر ان کو حقیقت معلوم ہو جاتی اور یہ خبر ہو جاتی کہ ان اعمال کو ترقی اور تمکن فی الارض میں بھی دخل ہے تو پھر دیکھئے کہ مسلمان کس شوق سے ان اعمال کو بجا لاتے ہیں گو اس نیت سے عمل کرنا اچھا نہیں خلوص کے خلاف طاعات سے ثمراتِ دنیا کا قصد نہ ہونا چاہیئے۔ وہ تو تابع ہیں خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں الغرض ترقی کے اسباب تو آپ کے گھر میں موجود ہیں۔ اور آپ ہی کے گھر سے لوگوں نے چرائے ہیں اور آپ کی یہ حالت ہے کہ دوسروں سے لیتے اور دربدر گدائی کرتے پھرتے ہیں پس وہ حال ہے ؎

یک سبدپر نان ترا بر فرق سر	تو ہمیں جوئی لب نان دربدر
تا بزانوئی میان قعر آب	وز عطش وز جوع کشتی خراب

روٹیوں کا ٹوکرا تو سر پر رکھا ہوا ہے اور دربدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں دریا کے اندر کھڑے ہوئے ہیں اور پیاس کے مارے برا حال ہے

مجلس کے آداب

اب دیکھئے اسلام میں ایک تعلیم یہ ہے کہ جو شخص خاص مجلس میں ہو، مجلس عام میں نہ ہو تو اس کے پاس بدون اجازت کے نہ جاؤ۔ اور یہیں زنانہ مکان ہی کی تخصیص نہیں بلکہ مردانہ مکان میں بھی اگر کوئی پردے چھوڑ کر بیٹھا ہے اس کے پاس بھی بدون اجازت کے نہ جانا چاہیئے اور زنانہ مکان میں جس طرح دوسروں کو استیذان کا حکم ہے خود گھر والے کو بھی حکم ہے کہ اپنے گھر میں بدون اطلاع کے نہ جائے ممکن ہے کہ کوئی پردہ دار عورت آئی ہو اگر تم بلا اطلاع چلے جاؤ اس کا سامنا ہو جائے گا۔ یا ں ممکن ہے تمہاری ماں بہن ہی کسی وجہ سے ننگی بیٹھی ہو اپنے گھر میں کبھی دفعہ عورتوں کو ایسا اتفاق پیش آتا ہے۔ اسلئے مردوں کو حکم ہے کہ اپنے گھر میں بھی بدون اطلاع کئے نہ جائیں پھر اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ جب تم کسی کے پاس جانا چاہو اور وہ اجازت نہ دے بلکہ یہ کہدے کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا پھر کسی وقت ملوں گا تو اس بات کو برا نہ مانو، بلکہ لوٹ آؤ وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکیٰ لکم اور اس میں حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ برتاؤ تمہارے دلوں کو زیادہ صاف رکھنے والا ہے کیونکہ ایسے وقت میں شرماشرمائے گر کسی نے بلا بھی لیا تو انشراح و انبساط کے ساتھ وہ تم سے نہ ملے گا اسلئے کہ دل تو ملنے کو چاہتا ہی نہ تھا۔ تو یقیناً اس کے قلب پر تمہاری ملاقات سے گرانی ہوگی پھر ممکن ہے کہ اس گرانی کا احساس تم کو بھی ہو جائے تو اس سے

تم کو بھی دل میں شکایت ہوگی کہ یہ کیسا روکھا آدمی ہے کیسا بدخلق ہے جس پر میرا آنا اتنا گراں ہوا۔ اسلئے بہتر یہی ہے کہ جب کوئی کہدے کہ اس وقت نہیں مل سکتا۔ فوراً لوٹ آؤ۔ اب اس مسئلہ میں ہم لوگ کتنی کوتاہی کرتے ہیں استیذان کا سبق ہم لوگوں نے بالکل ہی بھلا دیا۔ مگر دوسری قومیں اس پر عامل ہیں کوئی شخص کے کمرے میں بدون اجازت کے نہیں جاسکتا سو دیکھ لیجئے جو قومیں اس پر عمل کر رہی ہیں ان میں باہم کیسا اتفاق ہے۔ آگے یہ ان کے تکلفات ہیں کہ استیذان کے لئے اپنے پتہ کا کارڈ بھیجتے ہیں ہم کو ان تکلفات کی ضرورت نہیں بس زبانی اجازت لینا کافی ہے مگر ہماری تو یہ حالت ہے کوئی پردے چھوڑ کر بیٹھا ہو۔ چاہے کوئی سو ہی رہا ہو مگر ان کا سلام اور مصافحہ قضا نہ ہو حالانکہ شریعت میں سونے والے کی اس قدر رعایت ہے کہ حدیث میں آتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور

حضرت مقداد راوی ہیں کہ ایک بار یہ اور چند شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مہمان تھے۔ آپ جب رات کو ذرا دیر سے گھر میں تشریف لاتے اور یہ مہمان لیٹے ہوتے تو آپ بہت آہستہ آہستہ تشریف لاتے اور ایسی آواز سے سلام فرماتے کہ جاگنے والا تو سن لے، اور سونے والے کی نیند خراب نہ ہو، حالانکہ یہ وہ ذات ہے کہ اگر آپ قتل بھی کر دیتے تو صحابہ کرام کو انکار نہ ہوتا۔ بلکہ آپ کے ہاتھ سے خوشی خوشی جان دینا ان کے نزدیک فخر تھا مگر پھر بھی آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نیند کی اتنی رعایت فرماتے تھے مگر یہاں یہ حالت ہے کہ ہر وقت سلام اور ہر وقت مصافحہ ہے چاہے کسی کو تکلیف ہوتی ہو چنانچہ میرے یہاں اس قسم کی باتوں پر روک ٹوک اور انتظام بہت ہے جس پر عنایت فرماؤں اس نے مجھے بہت کچھ خطاب دے رکھے ہیں ایک صاحب نے تو میرے منہ پر کہا کہ ہم کو یہ طریقہ پسند نہیں۔ انگریزوں کا سا قانون، ہر بات میں انتظام ہر بات میں انتظام۔ افسوس گویا اسلام میں انتظام ہی نہیں۔ بس اسلام تو ان کے نزدیک بے انتظامی کا نام ہے۔ حالانکہ اسلام سے زیادہ انتظام کسی نے بھی نہیں کیا۔ ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ نماز کا بھی روزہ کا بھی حج کا بھی، اور اتنا بڑا انتظام ہے ذرا ایک تاریخ سے حج مؤخر ہوجائے تو پھر سال بھر سے ورے نہیں ہوسکتا تو کیا اس کو بھی انگریزی قانون کہو گے عیادت اور بیمار پرسی کے لئے یہ قانون ہے واذا عاد احدکم المریض فلیخفف الجلوس۔ حدیث میں ہے کہ جب بیمار کی عیادت

کیا کرو تو اس کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا کرو۔ کیونکہ بیمار کو زیادہ ہجوم سے تکلیف ہوتی ہے حضرات فقہاء نے اس حکم کی حقیقت کو سمجھا وہ فرماتے ہیں کہ جس چیز سے توحش ہو وہ کام نہ کرو جسمیں یہ صورت بھی داخل ہے کہ مثلاً کسی کو بدھ کے دن عیادت کرنے سے اعتقاد شر کا ہوگا تو اس دن عیادت کر کے اس عقیدہ کی اصلاح کر دو۔ کوئی زاہد خشک ہوتا تو یوں کہتا کہ نہیں ایسے شخص کی عیادت بدھ ہی کے دن کرنا چاہیئے تاکہ اس عقیدۂ باطلہ کی مخالفت ہو تو لے صاحب پھر وہ عیادت ہی کیا ہوئی مناظرہ ہوگیا عیادت سے مقصود تو مریض کی دلجوئی ہے آپ کی اس مخالفت سے یہ مقصود کہاں حاصل ہوا بلکہ اس کو تو آپ کی صورت دیکھ کر دونی وحشت ہوگی کہ کمبخت بدھ کے دن کہاں آمرا۔ دیکھئے اس کا کیا منحوس اثر ہوتا ہے تو وہ اس سے گھبراویگا بات چیت کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انتظام فرمایا ہے۔ لایتناجی اثنان دون الثالث حتی یاتی رابع (اوکماقال) یعنی جہاں تین آدمی بیٹھے ہوں وہاں دو شخص آہستہ آہستہ باتیں نہ کریں اس سے تیسرے کی دلشکنی ہوگی کہ مجھ کو غیر سمجھا یہاں تک کہ چوتھا آجاوے تو اب دو شخص باتیں کر سکتے ہیں کیونکہ تیسرے کو باتوں کا شوق ہوگا تو وہ چوتھے سے کرنے لگے گا۔ پھر اس کو وہ بدگمانی نہ ہوگی۔ احتمال ہوگا کہ شاید اس چوتھے سے اخفا مقصود ہو اور کو اس تیسرے پر بھی احتمال ہوگا۔ سبحان اللہ نے کیسی ذرا ذرا سی باتوں کی رعایت فرمائی ہے اور یہ معجزہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ باوجود اتنے مشاغل کثیرہ کے پھر بھی آپ نے معاشرت کے دقیق سے دقیق امور کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ کیا بدون نبوت کے ایسا ہوسکتا ہے۔؟ ہرگز نہیں۔

کفار کا قول

اسی جامعیت کی تعلیم کو دیکھ کر تو کفار کہا کرتے تھے حضرات صحابہؓ سے کہ تمہارے نبی نے تم کو ہر بات سکھلائی حتیٰ کہ ہگنا موتنا بھی سکھلا دیا کفار نے تو یہ بات طعن سے کہی تھی مگر صحابہ نے فرمایا کہ ہاں بیشک ہم کو حضور نے سکھلایا ہے کہ بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت نہ کریں اور داہنے ہاتھ سے اپنے عضو کو نہ چھوئیں اور تین ڈھیلوں سے کم استنجے کے واسطے نہ لئے جائیں اور ہڈی اور کوئلہ سے استنجا نہ کریں یہ تعلیم سن کر کفار کی آنکھیں کھل گئیں کہ واقعی بول و براز کے یہ آداب تو بدون تعلیم کے معلوم ہو ہی نہیں سکتے۔ بھلا کچھ ٹھکانا ہے انتظام کا کہ پیشاب پائخانہ کے لئے بھی آداب مقرر ہیں پاکی اور صفائی کا یہ قانون ہے کہ آپ فرماتے ہیں اذا استیقظ احدکم من منامہ

فلایغمسن یدہ فی انائہ لانہ لایدری این باتت یدہ ۔ جب کوئی سوکر اٹھے تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے کیا خبر اس کا ہاتھ کہاں کہاں پہونچا ہوگا بھلا یہ انتظام ہی نہیں تو اور کیا ہے نیز ارشاد ہے ۔ نَظِّفُوْا اَفْنِیَتَکُمْ وَ لَاتَشَبَّہُوْا بِالْیَہُوْدِ ۔ اپنے گھر کے سامنے کا میدان صاف رکھا کرو یہود کی طرح نہ بنو ۔ وہ صفائی کا اہتمام نہیں کرتے ۔ سبحان اللہ ! جب فنا ودار کا اتنا اہتمام ہے تو خود گھر کی صفائی کا اہتمام کیا ہوگا اور جب گھر کا اتنا اہتمام ہے تو لباس کی صفائی کا کیا کچھ اہتمام نہ ہوگا ۔ پھر بدن اور روح کی نظافت کا امر تو کیا کچھ ہوگا ۔

ع "قیاس کن زگلستان من بہار مرا"

نظافت کا قول

اسی سے عاقل سمجھ سکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کی نظافت کا اتنا خیال ہے تو نظافت باطنی کا تو کس درجہ اہتمام ہوگا مگر آجکل مسلمانوں اپنے گھر کے اس سبق کو ایسا بھولے ہیں کہ اگر کوئی اس زمانے میں نظافت مکان و نظافت لباس و بدن کا اہتمام کرنے لگے تو اس کو عیسائی اور انگریز کہنے لگیں چنانچہ مدراس میں ایک انگریز اسلام لایا ایک روز وہ جامع مسجد میں تو گیا حوض کی نالی میں اس قدر رینٹ جما ہوا تھا جسے دیکھ کر گھن آتی تھی اس سے نہ رہا گیا اس نے ایک دو لوٹے پانی سے سب دھویا اور لوگوں سے کہا کہ صاحبو ! ذرا نالی میں سے کبھی کبھی رینٹ تو صاف کر دیا کرو ۔ دیکھو کیسا برا معلوم ہوتا ہے تو لوگ کیا کہتے ہیں ، معلوم ہوتا ہے تجھ میں ابھی عیسائیت کا اثر باقی ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ نظافت اسلامی کو کوئی دوسری قوم اختیار کرلے تو وہ اسلام سے نکل جائے اور انگریزوں کا کام ہو جائے ۔ میں کہاں تک گناؤں ، شریعت کے انتظام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظام فرمایا ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں ۔ لایقولن احدکم خبثت نفسی و لیقولن قلست نفسی (اوکما قال) یعنی اگر جی متلائے تو خبثت نفسی نہ کہو کیونکہ مسلمان کا نفس خبیث نہیں ہوا کرتا بلکہ یوں کہو میرا جی مالش کرتا ہے ۔ متلاتا ہے ۔ سبحان اللہ آپ نے تو ہم کو بات کرنے کے بھی طریقے بتلائے ہیں ۔ تو صاحب دوسری قوموں کی ترقی کا راز یہ ہے کہ انہوں نے آپ کے گھر سے یہ چند باتیں چرالی ہیں ۔ انتظام ، پابندی وقت رازداری ، اتحاد واتفاق وغیرہ ، اور ان اعمال کی خاصیت یہ ہے کہ جو ان کو اختیار کرتا ہے اسے ترقی ہو جاتی ہے اسلئے دوسری قوموں کو ترقی ہو رہی ہے ۔ اور آپ نے ان اعمال

کو ترک کر دیا ہے اسلئے آپ تنزل میں ہیں ۔ پھر دوسری قوموں نے جو ان اعمال کو اختیار کیا ہے وہ اختیار ناقص ہے اگر اختیار کامل ہوتا تو وہ نتیجہ ہوتا جو آپ کے اسلاف کو حاصل تھا ۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چوں کند

ایک خاک آمیز گھونٹ نے تو نچا دیا ہے اگر خالص جام پیتے تو نہ معلوم کہاں پہونچتے ۔ (العبرۃ بذبح البقرۃ ص۴۹ تا ۵۷ ملخصًا)

۱۹ - ہندو مسلم اتحاد کی خرابی

آجکل اتحاد واتفاق کا بہت شوق ہے اسی جوش میں ایسے عالی مضامین اور باریک نکات سوجھتے ہیں کہ (کیا کہنے) چنانچہ مظفر نگر میں ایک ہندو نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ جب تک ہم میں اتفاق نہ ہو کامیابی نہیں ہو سکتی پھر کہا ، جانتے بھی ہو ؟ کہ ہم کے کیا معنی ہیں ، ہم کے معنی ہیں ہندو اور مسلمان "ہا" سے مراد ہندو اور "میم" سے مراد مسلمان ۔ پھر کہا کہ ہمارے ہندو بھائی ناخوش نہ ہوں کہ "ہا" ذرا سی ہے اور "میم" لمبا ہے بات یہ ہے کہ ہندو تو ہندوستان ہی کے اندر اندر ہیں یہ کہیں باہر سے نہیں آئے اور مسلمان عرب و ایران وغیرہ بہت دور سے آئے ہیں تو ان کی مسافت بہت لمبی ہے اس لئے ان کے واسطے "میم" اختیار کیا گیا ۔ اور اس کو لمبا لکھا گیا ہے مگر اس شخص نے مسلمانوں کی بابت یہ خیال نہ کیا کہ شاید وہ یہ شبہ کرنے لگیں کہ "ہا" پہلے لکھا گیا اور "میم" کو پیچھے اور "ہا" کو میم کے سر پر سوار کیا گیا اس کی کیا وجہ شاید اس کا جواب یہ دیا جائے کہ ہندو یہاں پہلے سے رہتے ہیں اور مسلمان بعد میں آئے ہیں اسلئے "ہا" کو پہلے اور میم کو پیچھے لایا گیا ۔ مگر یہ شبہ پھر بھی باقی رہا کہ "ہا" کو "میم" کے سر پر سوار کیوں کیا گیا ۔ اس کو پہلے ہی لکھا ہوتا ۔ مگر "میم" سے "ہا" الگ لکھا ہوتا ۔ مگر شاید اتفاق واتحاد ظاہر کرنے کے لئے خلط کی ضرورت پڑی ہو اسلئے ایسا کیا گیا ۔

غیروں کی تعریف

واہیات خرافات یہ آجکل کے نکات ہیں جن کے سر نہ پاؤں مگر لوگ ہیں کہ ان مضامین پر لٹو ہیں اور ستم یہ کہ مسلمان بھی اس تقریر کے مداح تھے ۔ جن کے یہاں نکات و معارف ایسے ایسے عالی ہیں کہ دوسری قوموں کو ان کی ہوا بھی نہیں لگی ۔ اسلامی علوم و نکات کے ہوتے ہوئے یہ واہیات باتیں

اس قابل ہیں کہ مسلمان ان کی تعریف کریں؟ مگر ہماری قوم میں ایک خاص مرض یہ بھی ہے کہ دوسری قوموں کے افعال کی مدح کرتے ہیں اور اپنے گھر کی چیزوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ ایک زمانہ انگریزوں کی پرستش کا تھا۔ اس وقت تک ان کے افعال اور معاشرت کی مدح سرائی ہوتی تھی اور مسلمانوں کے طرز معاشرت پر ان کے طرز معاشرت کو ترجیح دی جاتی تھی اب ہندوؤں کی پرستش کا دور ہے اب ان کی باتوں کی مدح وثنا ہوتی ہے غرض یہ ہمیشہ دوسروں ہی کی پرستش میں رہیں گے ان میں یہ حوصلہ نہیں رہا کہ اپنی دولت کے سامنے کسی کی چیز کو بھی منہ نہ لگائیں بلکہ سب کو اسی کے سامنے جھکانے کی کوشش کریں۔ افسوس ایسے مسلمان اب زمین کے اندر پہونچ گئے اب تو ایسے مسلمان رہ گئے ہیں کہ ایک صاحب کا مقولہ اخبار میں شائع ہوا تھا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو فلاں شخص (یعنی گاندھی) نبوت کا مستحق تھا۔ افسوس اس شخص کو مسلمانوں میں کوئی اس قابل نہ ملا تھا ایک ہندو ہی اس قابل ملا تھا اے صاحبو! میں پوچھتا ہوں کہ آخر یہ کون سا اسلام ہے جس میں بھی ہونے کے لئے ایمان کی بھی شرط نہیں۔ پھر لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت نہ کرو۔ جس اتحاد کا یہ نتیجہ ہو کہ مسلمان اس سے الحاد کی طرف جائیں اس اتحاد پر صد نفریں ہے۔

پھر کوئی ان لیڈر صاحب سے پوچھے کہ جب تمہارے نزدیک ہندو بھی قابل نبوت ہو سکتا ہے تو تم نے اس قضیہ شرطیہ کو کیوں . . . تکلیف دی کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی کیونکہ ایسی نبوت تو ختم نہیں ہوئی اسلئے کہ ختم تو وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے شروع بھی ہو چکی ہو اور ایسی نبوت تو آج تک شروع ہی نہیں ہوئی جس میں اسلام و ایمان کی قید نہ ہو جب وہ شروع نہیں ہوئی تو ختم بھی نہیں ہوئی بلکہ یہ تو تم نے نبوت کی قسم نکالی ہے اس کے لئے یہ شرط بڑھانا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی محض حماقت ہے تم کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ نبوت اسلام تو ختم ہو چکی اب میں نبوت کی ایک دوسری قسم ایجاد کرتا ہوں جس میں ایمان و اسلام کی بھی قید نہیں اور اس قسم کا پہلا نبی فلاں شخص ہے۔ غرض عیب کرنے کے لئے بھی ہنر چاہیئے کفریہ کلمہ بھی زبان سے نکالا اور وہ بھی بے تکا۔ جس کے سر نہ پاؤں اور کمال یہ کہ ایسے کلمات کو نباہ بھی نہ کر سکے یہ لوگ لیڈر اور مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں کوئی عالم یا جاہل اس شخص کو متنبہ نہیں کرتا کہ ان کلمات ناشائستہ سے ایمان میں فرق آگیا تو اپنے ایمان کی سلامتی

کی فکر کر۔ اگر وہ اس سے توبہ نہ کرے تب تو ظاہر ہے اور اگر توبہ کرلے جب بھی یہ لوگ لیڈر اور مقتدا بننے کے قابل نہیں کیونکہ ایسے کلمات سے معلوم ہو گیا کہ یہ اسلام کی تعلیم سے بالکل کورے اور نرے جاہل ہیں۔ سو توبہ کرکے گناہ تو معاف ہو جائے گا مگر ایک منٹ کی توبہ سے علم تو حاصل نہ ہوگا۔

غرض مسلمانوں کے اندر یہ بڑا مرض پیدا ہو گیا ہے کہ ان کو دوسری قوموں کی باتیں زیادہ وقیع معلوم ہوتی ہیں اور اپنے علماء کو چھوڑ کر یہ دوسری قوموں کے افراد کی عظمت کرنے لگتے ہیں اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قومیت اسلامی کے حامی و محافظ ہیں ڈلے پتھر کیا قومیت اسلامی کی یہی حمایت ہے کہ تم اسلامی تعلیم کو دوسرے مذاہب کی تعلیم کے آگے اسلامی علماء اور دوسری قوموں کے افراد کے سامنے ذلیل و پست کردو واللہ یہی لوگ اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہی قومیت اسلامی کو برباد کرتے ہیں۔ ان تحریکات سے خدا تو ان کو مطلوب ہے ہی نہیں مگر جس قومیت کا یہ رات دن رونا روتے ہیں اس کی بھی جڑیں اکھاڑ رہے ہیں۔

قومیّت کی حفاظت

قومیت کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی قوم کو دوسروں سے مستغنی ثابت کرو۔ خود محتاج نہ بنو دوسروں کو اپنا محتاج بناؤ۔ اپنی تعلیم کے مقابلے میں کسی کی تعلیم کو ترجیح نہ دو۔ اور ثابت کر دکھاؤ کہ اسلامی تعلیم سے بہتر کوئی تعلیم نہیں۔ نیز اپنے علماء کے سامنے دنیا بھر کے عقلاء کو پست اور نیچا دکھادو اور اس کے لئے تم کو کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ الحمد للہ اسلام میں وہ لوگ موجود ہیں جن کے سامنے دنیا بھر کے سیاستدان طفل مکتب ہیں قرآن و حدیث کے برابر سیاسی اور تمدنی تعلیم کون سی کتاب میں ہے ذرا کوئی لاکر تو دکھلائے پھر جو لوگ قرآن و حدیث کے حقیقی طور پر سمجھنے والے ہیں ان کے برابر کوئی بھی عاقل یا سیاستدان ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بخدا ہرگز نہیں۔ مگر یہ ساری خرابی ان علماء کی ہے جو ہر بات میں ان لیڈروں کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ اور لیڈروں کی طرح خود بھی کافروں کی سیاستدانی کے معتقد ہیں ان کی علانیہ مدح کرتے اور ممبر پر بیٹھ کر وعظوں میں تعظیم سے ان کا نام لیتے ہیں اور یہ وہ علماء ہیں جنھوں نے کسی صاحب دل کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں۔ محض کتاب پڑھ کر عالم ہو گئے ہیں۔ مگر ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت رہبری داند — نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(محاسن اسلام ص۳۴ تا ۳۷)

غیر مسلموں کی حمایت

چنانچہ بعض نام نہاد علماء ہندوؤں کے ساتھ ان تحریکات میں شریک ہوئے ہیں اور یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اپنی روش پر چلنے سے تو کچھ زیادہ قدر نہیں ہوتی نہ زیادہ دولت ملتی ہے لاؤ وہی طریقہ اختیار کریں، جو ہندوؤں نے اختیار کیا ہے شاید اس طرح کچھ زیادہ وقعت مل جائے۔ اور اگر انہوں نے سوراج لے لیا تو اس میں ہمارا بھی حصہ رہے گا۔ اگر ہم الگ رہے تو بالکل محروم رہیں گے، افسوس مسلمان ہوکر غیر پر نظر، بڑی شرم کی بات ہے۔ ان لوگوں نے یہ خیال نہ کیا کہ جو طریقہ کفار کے لئے حصول عزت کا ہے مسلمان کے لئے وہ طریقہ نہیں ہے مسلمان کبھی دوسری قوموں کی اتباع کرکے ترقی نہیں کرسکتا اگر وہ مسلمان ہے۔ مسلمان کی ساری عزت اسی میں ہے کہ وہ اپنے طریقے پر قائم رہے اور کسی حال میں احکام شریعت سے تجاوز نہ کرے اسی سے فلاح ہوتی ہے گو سامان کم ہو اور اس کے خلاف میں فلاح نہیں گو سامان زیادہ ہو۔

قتال کی اجازت

دیکھئے اس کی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی۔ مدینے میں پہونچکر اجازت ہوئی اس کی کیا وجہ ہے۔ ظاہر میں یہ سمجھتے ہیں کہ قلت جماعت وقلت اسباب اس کا سبب تھا یہ خلاف تحقیق ہے کیونکہ مدینہ ہی پہونچکر کیا جماعت بڑھ گئی تھی کفار کا پھر بھی غلبہ تھا۔ مدینہ کی جماعت تمام عرب کے مقابلہ میں کیا چیز تھی بلکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ تمام کفار عالم کے مقابلہ میں یہ اجازت ہوئی تھی۔ تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا۔ اسی طرح مدینہ پہونچکر سامان میں کیا زیادتی ہوگئی تھی۔ کفار ہمیشہ نہایت ساز وسامان سے مقابلہ کرتے تھے اور مسلمانان مدینہ کی یہ حالت تھی کہ بعض مواقع میں ایک ایک سواری میں سات آٹھ آدمی شریک ہوتے تھے بعض دفعہ چند آدمیوں میں ایک ہتھیار مشترک ہوتا تھا پس یہ کہنا بالکل واقع کے خلاف ہے کہ مدینہ میں جاکر جماعت وسامان کی زیادت اس اجازت کا سبب ہوئی نصوص سے خود

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلہ میں اکثر مواقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وانزل جنود الم تروھا۔ اور ارشاد ہے۔ بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھٰذا یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف من الملائکۃ مسومین ط۔

اخلاق کا رسوخ

اور یہ صورت نزول ملائکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی، مگر پھر بھی اس صورت کو اختیار کرکے وہاں . . . اجازت نہ دی گئی تو اس کی کوئی وجہ بتلانی چاہیئے اہل ظاہر اس کی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں مسلمانوں کے اندر اخلاقِ حمیدہ اخلاص وصبر وتقویٰ وغیرہ کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے اس وقت اگر اجازت قتل کی ہوجاتی تو سارا مقابلہ جوش غضب وانتقام للنفس کے لئے ہوتا محض اخلاص واعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہوتا اور اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے ان کی امداد کی جائے اور حمایت الٰہی ان کے شامل حال ہو۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں بلیٰ ان تصبروا وتتقوا۔ کی شرط بتلارہی ہے کہ حمایت الٰہی اس وقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر وتقویٰ میں راسخ ہوں اور تقویٰ کے معنیٰ ہیں۔ احترازعما نہی اللہ عنہ وامتثال ما امر بہ جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء وعن شائبۃ النفس بھی داخل ہے اور مدینہ میں پہونچ کر یہ اخلاق راسخ ہوگئے تھے مہاجرین کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذاء پر صبر کرنے سے نفس کی مقاومت سہل ہوگئی نیز قوت غضب نفسانی ضعیف بلکہ زائل ہوگئی تھی۔ پھر ہجرت کے وقت جب انہوں نے اپنے وطن واہل وعیال ومال ودولت سب پر خاک ڈالدی، تو ان کی محبت الٰہی کامل ہوگئی اور محبت دنیا ان کے قلب سے بالکل نکل گئی

انصار مدینہ

انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے ان کے قلوب بھی محبت الٰہی سے لبریز اور محبت دنیا سے پاک ہوگئے تھے چنانچہ انصار نے خوش خوش ان حضرات کو اپنے مکانات واموال میں شریک کرنا چاہا۔ بلکہ بعض صحابہ نے تو یہاں تک کیا کہ ایک مہاجر صحابی سے کہا کہ تم میرے بھائی ہوگئے ہو اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا تمام مال آدھوں آدھ تقسیم کرکے نصف خود لوں اور نصف تم کو دیدوں اور میرے پاس دو بیبیاں ہیں ان میں سے جون سی تم کو پسند ہو

میں اسے طلاق دیکر ابھی الگ کر دوں عدت گذرنے کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا۔ مہاجر نے انکو دعا دی کہ خدا تمہارے مال وعیال میں برکت دے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں تم مجھے بازار کا راستہ بتادو۔ میں تجارت کر کے اپنا گذر کرونگا۔

واقعہ ہجرت سے امتحان

غرض واقعہ ہجرت سے مہاجرین وانصار دونوں کا امتحان ہوگیا جس میں وہ کامل اترے اس کے بعد ان کو اجازت قتال دی گئی کہ اب جو کچھ کریں گے محض خدا کے لئے کریں گے اس وقت یہ اس قابل ہوں گے کہ حمایت الٰہی ان کا ساتھ دے اور ملائکہ رحمت ان کی مدد کریں۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ کے واقعات اسپر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لئے کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مثنوی میں مذکور ہے کہ ایکمرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کو معرکۂ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اس کمبخت نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا۔ اب چاہیئے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو فوراً ہی ذبح کر ڈالتے۔ مگر تھوکتے آپ فوراً اس کے سینہ پر سے کھڑے ہوگئے اور فوراً اسے چھوڑ دیا وہ یہودی بڑا متعجب ہوا کہ میری اس ترکیب کے بعد تو ان کو چاہیئے تھا کہ مجھے کسی طرح جیتا نہ چھوڑتے۔ مگر انہوں نے برعکس معاملہ کیا آخر اس سے نہ رہا گیا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کی وجہ پوچھی کہ آپ نے اگر مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے کے بعد کیوں رہا کر دیا۔ اس فعل سے نہ میرا کفر زائل ہوا نہ عداوت سابقہ ختم ہوئی بلکہ اور زیادہ ہوگئی تھی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ واقعی اس فعل کے بعد میرا رہا کر دینا بظاہر عجیب ہے مگر بات یہ ہے کہ اول جب میں نے تجھ پر حملہ کیا تو اس وقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھ مطلوب نہ تھا۔ اور جب تو نے میرے اوپر تھوکا تو مجھے غصہ اور جوش انتقام پیدا ہوا میں نے دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض خدا کے لئے نہ ہوگا بلکہ اس میں نفس کی بھی آمیزش ہوگی اور میں نے نہ چاہا کہ نفس کے لئے کام کر کے اپنے عمل کو ضائع کر دوں اسلئے تجھے رہا کر دیا۔ یہودی یہ سُنکر فوراً مسلمان ہوگیا، اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کے لئے نہ کرو بلکہ محض خدا کے لئے ہر کام کرو دوستی اور دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے اب ہماری حالت یہ ہے کہ جو لوگ خدمت اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو نفس کے واسطے کام کرتے ہیں اپنے ذرا ذرا سے کارناموں کو اُچھالتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں احکام الٰہی کی پروا نہیں کرتے بس ان کا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہیئے

خواہ شریعت کے موافق ہو۔ یا مخالف۔ چندہ میں جائز وناجائز کی پروا نہیں۔ صرف میں حلال وحرام کا خیال نہیں پھر حمایت الٰہی ان کے ساتھ کیونکر ہو۔

مسائل سے اجتناب

بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ مسئلے مسائل کو ابھی رہنے دو، اس وقت تو کام کرنا چاہیئے۔ بعد کو مسئلے مسائل دیکھے جاویں گے۔ (اناللہ) وانا الیہ راجعون۔ ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ مسئلے مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دنیوی فلاح ہوسکتی ہے نہ اخروی اور سب سے زیادہ اخلاص نیت کی ضرورت ہے جس کا یہاں صفر ہے ہمارے بزرگان دین جو بحمد اللہ اب بھی موجود ہیں وہ محض خدا کے واسطے کام کرتے ہیں۔ اسی لئے وہ کسی کام میں شریعت سے ایک انچ بھی بڑھنا نہیں چاہتے اسی طرح جو ان حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ بھی نفس کے کے کام نہیں کرتے۔ (ایضاً ص۳۸ تا ۴۱)

اور جن کو خدا کے ساتھ یہ تعلق حاصل نہیں ان کی یہ حالت ہے کہ آج ان کے کچھ فتویٰ ہیں اور کل کو جہاں اغراض بدلیں ساتھ کے ساتھ ان کے فتویٰ بھی بدل گئے۔ ارے یہ کیا قصہ ہے یہ کیسا اسلام ہے جو اغراض کے تابع ہے۔ مسلمان کو تو ایسا ہونا چاہیئے۔ ع۔

؎ "یکے خواں دیکے داں دیکے گو"

مسلمان کو تو ایسا ہونا چاہیئے کہ اس ذات کے ساتھ علاقہ رکھے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور اغراض فانیہ کی نفی کرنی چاہیئے اور ان کے متعلق کا لا احب الآفلین کہدینا چاہیئے۔

خلیل آسا در ملک یقین زن صدائے لا احب الآفلین زن

ایک فتویٰ

پہلے سب علماء کا فتویٰ تھا کہ ریل میں بدون ٹکٹ سفر کرنا حرام ہے مگر اب حالت یہ ہے کہ اس کو جائز کر دیا ہے۔ بہت لوگ جو علماء وطلباء کہلاتے ہیں بے ٹکٹ سفر کرنے لگے۔

میرے پاس ایک طالب علم کا خط آیا کہ بدون ٹکٹ کے ریل میں سفر کرنے کو جائز سمجھتا ہوں اور میرے باپ اس سے منع کرتے ہیں ان کے باپ انگریزی خواں دنیادار تھے اللہ اکبر۔ کبھی وہ زمانہ تھا کہ عربی خواں اس سے منع کرتے تھے اور انگریزی خواں اس کو جائز کہتے، اب یہ حالت ہے کہ عربی خواں جائز کہتا ہے اور انگریزی خواں منع کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ انگریزی داں کسی دانا یعنی (عارف) کا ذبح کیا ہوا تھا۔ (ایضاً ص۴۴)

اسی طرح اللہ کا ہو رہے تب اسلام کامل ہوتا ہے ورنہ وقت پر سب لکھا پڑھا

غائب ہوجاتا ہے۔ صاحبو! بدون صحبت اہل اللہ کے توحید بھی کامل نہیں ہوتی۔ کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی سے خوف وطمع نہ ہو ؂

موحد چہ برپائے ریزی زرش ‌‌ چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس ‌‌ ہمین ست بنیاد توحید بس

اسلام میں قناعت

مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اسلام کے درجۂ ناقص پر کفایت کرتے ہیں اس کی تکمیل کی فکر نہیں کرتے۔ نہ نماز کی فکر ہے نہ روزہ کی، بس ہم کو تکمیل اسلام کی فکر کرنا چاہیئے۔ اسلام کامل یہ ہے کہ انسان پورا اللہ والا ہوجائے جب اس کا ایک شعبہ یہ ہے کہ دین کو دنیا اور اغراض کے تابع نہ بنایا جاوے۔ اس وقت دین کی فہم حاصل ہوگی۔ اور جس کے اوپر اغراض نفسانی کا غلبہ ہوگا اسے دین کی سمجھ حاصل نہ ہوگی۔ ایسے ہی علماء کا یہ خیال ہے کہ ذبیحۂ گاؤ شعار اسلام نہیں۔ (ایضاً ص۴۵)

تبلیغ دین کی ممانعت

آجکل ایسے بھی مسلمان ہیں جو تبلیغ کے کام میں روڑے اٹکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کام چھوڑ دو۔ اس سے ہندو مسلم اتحاد میں فرق آتا ہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ان کے یہاں ابھی ہندوؤں سے اتحاد ہی چلا آرہا ہے۔ مگر مزہ یہ ہے کہ اتحاد تو جانبین سے ہوا کرتا ہے مگر ان کا اتحاد یک طرفی ہے کہ ہندو تو ان کی ذراسی بھی رعایت نہیں کرتے۔ جہاں ان کو موقع ملتا ہے مسلمانوں کو مرتد کر دیتے ہیں۔ آبرو ریزی یا جان و مال کے درپے ہوجاتے ہیں مگر ان حضرات کا اتحاد اب بھی باقی ہے۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ جب مسلمانوں کو ہندو مرتد بنا رہے ہیں تو کیا مسلمانوں کو مرتد ہونے دیا جائے، ان کو سنبھالنے کی کوشش نہ کی جائے اگر ان کی یہی رائے ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ چاہے ایمان جاتا رہے مگر اتحاد نہ جائے تو ایسے اتحاد پر لعنت ہے جس کے واسطے ایمان و اسلام کی بھی پروا نہ رہے۔ جن صاحبوں کی یہ رائے ہو وہ خود تبلیغ نہ کریں مگر جو لوگ یہ کام کرنا چاہتے ہیں ان کو کیس لئے روکتے ہیں۔ (ایضاً ص۵۵)

اور تماشا یہ ہے کہ آجکل جو یہ تحریک انسداد فتنۂ ارتداد چل رہی ہے اس کے متعلق ایسے بعض علماء نے ایک اشتہار میں شائع کیا ہے کہ یہ تحریک چونکہ خالص مذہبی تحریک ہے اسلئے اس میں ہر طبقہ کو شریک ہونا چاہیئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلی تحریکات خالص مذہبی نہ تھیں اس میں غیر مذہب کا بھی دخل تھا۔ دل میں تو ان تحریکات کی حقیقت کو سمجھ ہی رہے تھے۔

مگر الحمدللہ برسوں کے بعد اب زبان سے بھی اقرار کرلیا کہ پہلی تحریکات خالص مذہبی نہ تھیں۔ پھر نہ معلوم ان میں شرکت نہ کرنے والوں کو کافر و فاسق کیوں بنایا گیا۔ یقیناً جو امر مذہب وغیر مذہب سے مرکب ہوگا وہ فرض واجب کبھی نہیں ہوسکتا، مگر ستم یہ ہے کہ ان لوگوں نے تحریکات سابقہ کی شرکت کو فرض و واجب بنا رکھا ہے۔

صاحبو! مذہب میں بھی سیاسیات کا بہت بڑا حصہ ہے مگر وہ سب مذہب کے تابع ہے اور وہ سیاسیات خالص مذہبی سیاسیات ہیں ان میں غیر مذہب کا دخل ہرگز نہیں ہوسکتا، اگر ان حضرات کے نزدیک پہلی تحریکات مذہبی سیاسیات میں داخل نہیں تو ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ تحریک انسداد ارتداد خالص مذہبی تحریک ہے اس میں سب کو شریک ہونا چاہیئے اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تحریکات خالص مذہبی نہ تھیں تو پھر وہ مذہبی سیاسیات میں داخل نہ تھیں۔ (ایضاً ص۶۴)

۲۰۔ مقصود بالذات رضاء حق ہے نہ کہ سلطنت

آجکل جو عوام حکومت کے مقابلہ میں بہادر بنے ہوئے ہیں، اس کا راز یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہم کو پوچھتا کون ہے ہاں جو لوگ مشہور ہیں۔ ان کا حکومت سے مقابلہ کرنا بیشک بہادری ہے کیونکہ ان کو ہر وقت اپنے اوپر خطرہ ہے گو اس سے بحث نہیں کہ یہ بہادری جائز ہے یا حرام، اور یہ دینی شجاعت ہے یا نفسانی تہور، اس کو علماء سے پوچھو، مگر صاف بات یہ ہے کہ علما بھی سب نہیں ہیں بلکہ علماء بھی حقیقت میں وہ ہیں جو لیڈروں کے تابع نہ ہوں حکم شرعی کے تابع ہوں۔ اور جو علماء لیڈروں کے تابع ہوں ان کی حالت یہ ہے کہ واللہ اگر لیڈر آج اپنی رائے کو بدل دیں تو یہ علماء بھی ادھر ہی ہوجائیں مگر ہیں عقلمند کہ فوراً فتویٰ نہ بدلیں گے کیونکہ اس سے عوام کو صاف معلوم ہوجائیگا کہ ان کے فتوے لیڈروں کی رائے کے تابع ہیں بلکہ آہستہ آہستہ اپنی رائے کو بدلکر لیڈروں کے راستے پر آجائیں گے۔

علماء لیڈروں کے ساتھ

آجکل علماء لیڈروں کے ساتھ دو وجہ سے ہیں یا تو اس لئے کہ ان سے علیحدگی میں زوال جاہ کا اندیشہ ہے چنانچہ مشاہد ہے کہ جو علماء ان کے ساتھ ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ان تحریکات

میں شرکت نہ کی تو مدرسہ کا چندہ بند ہوجائے گا کوئی مدبر کی اعانت نہ کرے گا ایک عالم نے مجھے لکھا تھا کہ ان تحریکات سے علیحدگی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اکیلے رہ جاؤ گے کوئی تمہارے ساتھ نہ ہوگا۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے خدا کا ساتھ کافی ہے اور کسی کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں لعنت ہے ایسے جاہ و مال پر جس سے مخلوق کی رضا مقصود ہو۔

مسلمانوں کی شان تو یہ ہونا چاہیئے کہ رضائے الٰہی کے سامنے اس کو کسی پروا نہ ہو۔ اگر مخلوق اس کو پاگل بنا کر چھوڑ دے مگر خدا راضی ہو تو وہی اس کے لئے سلطنت ہے اگر وہ پاگل بھی ہے تو کس کا پاگل ہے ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم — مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اس کے نزدیک جو خدا کا دیوانہ نہ ہو وہ خود دیوانہ ہے ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد — مرعسس را دید و در خانہ نشد

مگر ان کی دیوانگی عقل کی دیوانگی نہیں بلکہ مستی عقل سے ان پر ایک نشہ سوار ہے۔ یہ وہ دیوانگی ہے جس پر ہزار عقلیں قربان ہیں ؎

؎ او گلِ سرخ ست تو از خونش میخواں
مست عقل است او تو مجنونش مخواں۔

کوئی تو اسلئے نیند میں پڑا سو رہا ہے کہ روٹی نہیں ملی، فاقہ گذر رہا ہے اور یہ اسلئے نیند میں ہے کہ کھا بہت گیا ہے۔ بہت کھانے سے بھی نیند آیا کرتی ہے۔ اسی طرح کوئی تو اسلئے مجنون ہے کہ اس کے پاس عقل نہیں اور کوئی اس لئے مجنون ہے کہ غلبہ عقل سے مست ہوگیا ہے یہ لوگ مصالح کو مصالحہ کی طرح پیس ڈالتے ہیں۔ ان کی بڑی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ ایک کو راضی کر لیں ؎

؎ مصلحت دید من آنست کہ یارانِ ہمہ کار
بگذارند و خم طرۂ یاری گیرند۔

یاد رکھو سلطنت مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل مقصود رضائے حق ہے

رضائے حق اگر ہم سے خدا راضی نہ ہو تو ہم سلطنت کی حالت میں فرعون ہیں۔ اور لعنت ہے ایسی سلطنت پر جس سے ہم فرعون کے مشابہ ہوں اگر سلطنت مقصود بالذات ہوتی تو فرعون و ہامان و نمرود و شداد بڑے مقرب ہونے چاہئیں حالانکہ وہ مردود ہیں۔ معلوم ہوا کہ سلطنت وہی مطلوب ہے جس میں رضائے حق بھی ساتھ ساتھ ہو اور جس سلطنت میں رضائے حق نہ ہو وہ

وبال جان ہے اگر ہم سے خدا راضی ہو تو ہم پاخانہ اٹھانے پر بھی راضی ہیں اور اسی حالت میں ہم بادشاہ ہیں۔ آخر حضرت ابراہیم بن ادہم کیا تمہارے نزدیک پاگل تھے۔ ان کو تو سلطنت ملی ہوئی تھی۔ پھر کیوں چھوڑی محض اس لئے کہ مقصود میں خلل واقع ہوتا تھا۔ معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود دوسری چیز ہے کہ اگر اس میں خلل واقع ہونے لگے تو اس وقت ترک سلطنت ہی سلطنت ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم ہر فن کے امام ہیں۔ حدیث میں ثقہ اور محدث ہیں اور فقہاء میں فقیہ اور صوفیہ میں تو امام ہیں۔ ان کو کوئی پاگل نہیں کہہ سکتا جو ان کو پاگل کہے وہ خود پاگل ہے۔ پھر دیکھو تو انہوں نے کیا کیا۔ جب رضائے حق میں سلطنت کو مزاحم دیکھا تو بادشاہت پر لات مار کر الگ ہو گئے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سلطنت مضر مقصود نہ تھی، تو ان کو اجازت دی گئی کہ منصب خلافت کو قبول کریں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لئے مضر مقصود تھی تو ان کے لئے حکم ہے لاتلین مال یتیم ولا تقضین بین اثنین۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود رضائے حق ہے اگر سلطنت سے مقصود میں خلل واقع ہو تو اس وقت اس سے منع کیا جائے گا، حضرت ابوذرؓ تو اتباع احکام کا ارادہ بھی کرتے تھے ان کو جب بھی قضا و حکومت کی اجازت نہ دی گئی اور تم تو اتباع احکام کا بھی قصد نہیں کرتے۔ اس حالت کی تم کو کیونکر اجازت دی جاسکتی ہے چنانچہ دیکھ لو کہ جو لوگ ابھی تھوڑا زمانہ ہوا پنچایت میں مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ ان کے کتنے فیصلے شریعت کے موافق ہوتے تھے اور وہ خود اتباع احکام کتنے کرتے تھے حالت تھی کہ وہ خود لوگوں کے دبائے ہوئے ہیں اور پنچایت میں فیصلہ کر رہے ہیں جن میں اکثر فیصلے خلاف شریعت ہوتے تھے اگر ان لوگوں کو سلطنت مل جاتی تو مخلوق کو کچا کھا جاتے تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ اس ظلم کی حالت میں تم کو سلطنت دیدیں۔ ارے اگر تم بادشاہ بن جاتے تو نہ معلوم مخلوق کا کیا حال ہوتا۔ بڑی خیر ہوئی کہ خدا نے گنجے کو ناخن ہی نہ دیئے اتنا ہی فرق دیکھ لو اپنے میں اور ان لوگوں میں جن کو خدا نے سلطنت دے رکھی ہے کہ تم نے اپنے مخالفوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا، اور اہل سلطنت نے تمہارے ساتھ باوجود تمہاری اس مخالفت کے کیا برتاؤ کیا اگر تم بادشاہ ہوتے اور اس وقت تمہاری ساتھ کوئی اس طرح مقابلہ سے پیش آتا۔ جیسا تم اس وقت سلطنت کے ساتھ برتاؤ کر رہے ہو تو نہ

کتوں کو پھانسی پر لٹکاتے اور ساری خرابی اس کی ہے کہ تم صرف سلطنت کو مقصود سمجھتے ہو رضائے حق کو مقصود نہیں سمجھتے ہو اسلئے تم کو خلاف شرع اقوال و افعال سے ذرا باک نہیں

(تقلیل الاختلاط مع الانام ص۶۰ تا ۶۳)

۲۱ - تشبہ بالکفار مذہبی کاموں میں حرام ہے -

میں ایجادات یورپ سے انتفاع کو منع نہیں کرتا - ہاں تشبہ اور کورانہ تقلید سے منع کرتا ہوں - اور تشبہ بالکفار جو شریعت میں حرام ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ تشبہ بالکفار امور مذہبیہ میں تو حرام ہے اور شعار قومی میں مکروہ تحریمی ہے باقی ایجادات و انتظامات میں جائز ہے وہ درحقیقت تشبہ ہی نہیں - بعض لوگ ان احکام کو شریعت سے خارج سمجھتے ہیں اسلئے میں نے اس مضمون کو بیان کر دیا کہ شعار قومی میں بھی تشبہ حرام ہے گو قسم اول کے درجے میں نہ ہو مگر پیشاب و پاخانہ میں فرق ہونے سے پیشاب پینا گوارا کرے گا ؟ ہرگز نہیں ! بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کوٹ پتلون پہن کر ٹوپی تو اسلامی پہن لی ہے اب تشبہ کہاں رہا میں کہتا ہوں تشبہ کامل نہ سہی ناقص تو ہوا اگر آپ ایسا کر سکیں کہ سارا لباس زنانہ پہن کر اوپر سے مردانہ ٹوپی پہن لیں اور اسی حلیہ سے محفل میں جا سکیں تو ہم آپ کو اسلامی ٹوپی اور کفری پائجامہ کی بھی اجازت دیدیں گے -

مشتبہ صورت

صاحبو ! مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے - ہمارے یہاں ایک ب علم کنویں کے پاس پائجامہ دھو رہے تھے میں نے پوچھا یہ پاجامہ پاک ہے یا ناپاک - کہا مشتبہ ہے - میں نے کہا پھر تم اس کو کنویں کے پاس دھوتے ہو اور یہی ہاتھ ڈول رسی کو لگاتے ہو، جس سے سارا کنواں مشتبہ ہو جائے گا تم خانقاہ سے نکلو ہدایہ پڑھ کر بھی پاکی ناپاکی کا خیال نہیں - کہنے لگے مجھے عقل نہیں - میں نے کہا - اس جواب سے جرم کی تو نفی ہو گئی مگر ضرورت اخراج کی نفی نہیں ہوئی - کیونکہ اخراج کے لئے یہ ضرور نہیں کہ جرم ہی پر اخراج ہو بلکہ کم عقلی بھی موجب اخراج ہے - غرض ان کو خانقاہ سے نکال دیا گیا - تو آپ نے دیکھا کہ مشتبہ پائجامہ کو ناپاک ہی کا حکم دیا گیا - جیسے ناپاک کپڑوں کا دھونا کنویں کے پاس جرم ہے ایسے ہی مشتبہ کپڑے کا دھونا بھی جرم ہے اسی طرح آپ اس کو بھی سمجھ لیجئے

کہ اسلامی ٹوپی اور کفری پائجامہ پہننے سے گو آپ بالکل ناپاک نہ ہوں گے مگر مشتبہ تو ہو جائیں گے اور اسلام نے مشتبہ صورت سے بھی منع کیا ہے -

صاحبو ! کیا حیرت نہیں ہے کہ ایک برطانوی جرنیل کو تو یہ حق ہو کہ وہ جرمنی وردی کو جرم قرار دیدے کیونکہ وہ برطانیہ کا دشمن ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق نہ ہو کہ آپ دشمنانِ خدا کی وضع کو جرم قرار دیں مگر اسلام میں تعصب نہیں - چنانچہ تشبہ بالکفار کے مسئلہ میں شریعت نے تفصیل کی ہے کہ جو چیز کفار ہی کے پاس ہو اور مسلمانوں کے یہاں اس کا بدل نہ ہو اور وہ شئی کفار کی شعار قومی یا امر مذہبی نہ ہو تو اس کا اختیار کرنا جائز ہے جیسے بندوق طوپ، ہوائی جہاز، موٹر وغیرہ چنانچہ ایک بزرگ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے دست مبارک میں بندوق ہے اور آپ اس کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں نعم السلاح کہ یہ بہت اچھا ہتھیار ہے - میں اس خواب سے استدلال نہیں کرتا صرف تائیداً بیان کر دیا ورنہ اصل استدلال قواعد فقہیہ ہے - اس قاعدہ کی بناء پر نہ ہم ایجادات سے منع کرتے ہیں اور نہ ایجادات یورپ کے استعمال سے منع کرتے ہیں - گو اسلام میں ایجادات کی تعلیم بھی نہیں ہے اور یہ اسلام کا کمال ہے کہ اس میں صرف مقاصد کی تعلیم ہے غیر مقاصد کی تعلیم نہیں - اس کی ایسی مثال ہے جیسے بی، اے، کے اسکول میں جوتہ بنانے کی تعلیم نہیں ہوتی - اور یہ اس کے لئے نقص نہیں بلکہ کمال ہے اور اگر اسکول میں بی، اے کے ساتھ جوتہ سینے اور پاخانہ کمانے کی بھی تعلیم دی جاتی ہو تو یہ اس کے لئے نقص ہوگا - کمال نہ ہوگا -

اسلام کی تعلیم

حکیم محمود خاں کا یہ کمال تھا کہ وہ جوتہ بنانے کی ترکیب نہیں سکھلاتے تھے ہاں یہ بتلاتے تھے کہ جوتہ اس طرح مت سلواؤ کہ اس کی میخیں ابھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جاوے - اسی طرح اسلام ایجادات نہیں سکھلاتا ہاں یہ سکھلاتا ہے کہ کسی ایجاد کو اس طرح نہ اختیار کرو جس سے دین میں خلل ہو یا جان کا خطرہ ہو اسی طرح یہ بتلاتا ہے کہ بے ضرورت ایجادات کے درپے ہو کر ضروری کاموں کو ضائع نہ کرو اور ضروری ایجادات میں بھی اس کا لحاظ رکھو کہ موہوم منفعت کے لئے قطرۂ تویہ کا تحمل نہ کرو -

غرض اصول تو ہر ایجاد کے متعلق بتلا دیئے ہیں مگر ان کی ترتیب نہیں بتائی کیونکہ یہ مقصود اسلام سے الگ ہیں اور کمال اسی کا نام ہے کہ مقصود سے تجاوز نہ کیا جائے - یہ تو ان ایجادات کا حکم تھا جن کا بدل مسلمانوں کے یہاں نہیں ہے اور جو ایجاد ایسی ہو جس کا بدل

مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہے اس میں تشبہ مکروہ ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا ہے کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی اور دونوں کی منفعت برابر تھی صرف ساخت کا فرق تھا۔

غرض اسلام میں تعصب نہیں جیسا کہ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا۔ ہاں اسلام میں غیرت ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے پاس بھی ہے۔ اور کفار کے پاس بھی ہے صرف وضع قطع کا فرق ہے اس میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی بھی تو ہے کہ بلاوجہ اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج ظاہر کیا جاوے۔ مگر آجکل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی کہ یہ اپنے گھر سے بے خبر ہوکر بلکہ یوں کہئے کہ اپنے گھر کو آگ لگا دو دوسروں کی عادات ومعاشرت کا اتباع کرنے لگے، بس ان کی مثال ایسی ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر — تو ہمی جوئی لب ناں در بدر

تا بزانوئی میان قعر آب — وز عطش وز جوع گشتی خراب

بے پردگی

چنانچہ آجکل بے پردگی میں بھی مسلمان یورپ کی تقلید کرنے لگے ہیں حالانکہ یورپ والے عورتوں کی آزادی سے بہت گھبرا گئے ہیں، اسی طرح بعض لوگ عورتوں کو مردوں کے ساتھ مساوات دینا چاہتے ہیں یہ سبق بھی یورپ ہی سے سیکھا ہے اور یورپ والے اس سے گھبرا گئے ہیں کیونکہ عورتوں نے ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اہل یورپ کو عورتوں نے کیا پریشان کر رکھا ہے۔

صاحبو! اسلام کی تعلیم کی قدر کرو۔ اسلام کی تعلیم کی قدر کرو!! اسلام کی تعلیم یہ ہے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ یعنی حقوق میں تو عورتیں مردوں کے مساوی ہیں۔ مگر درجہ میں مرد بڑھے ہوئے ہیں جس کو دوسرے مقام پر صاف طور سے بیان فرمایا ہے۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم کہ مرد عورتوں پر سردار ہیں کیونکہ خدا نے ان کو فضیلت دی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی امام نہیں بن سکتیں نہ ان پر حکومت کرسکتی ہیں۔ وللرجال علیھن درجۃ کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ واللہ عزیز حکیم کہ اللہ زبردست ہیں اگر وہ چاہتے تو مرد وعورت دونوں کو برابر کر دیتے۔ مگر وہ حکیم بھی ہیں۔ حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ برابر نہ ہوں اگر عورتوں کو آزادی دے دی جائے تو پھر

ان کی آزادی کی روک تھام بہت دشوار ہوگی جیسا کہ اہل یورپ کو دشواریاں پیش آرہی ہیں کیونکہ اول تو آزادی کی روک تھام عقل سے ہوتی ہے اور عورتوں سے عقل نہیں ان کا ناقص العقل ہونا مشاہد ہے۔ دوسرے طبعی قاعدہ ہے کہ جو قوت ایک زمانہ تک بند رہی ہو جب اس کو آزادی ملتی ہے تو ایک دم سے ابل پڑتی ہے، جیسے امریکہ والے ایک عرصہ تک جاہل رہے جب ان کو تعلیم حاصل ہوئی تو ایک دم سے ایسے ابل پڑے کہ اپنے استاد سے بھی آگے بڑھ گئے اس قاعدے کی بناء پر ہندوستان کی عورتوں کو بلکہ مسلمانوں کی عورتیں کو تو ہرگز آزادی دینا مناسب نہیں کیونکہ اب تک تو وہ قید میں رہیں اگر ان کو آزادی مل گئی تو یقیناً ایک دم ابل پڑیں گے۔

غرض اسلام میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ مساوات تو نہیں ہے مگر حقوق کی اس قدر رعایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مسابقت کی ہے۔

(الحدود والقیود ص۱۹ تا ۲۳)

۲۲- آجکل کے مسلمانوں کا حال۔

آجکل مسلمانوں کی رال ٹپکتی ہے دوسری قوموں کے سامان عیش دیکھ کر مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ خیر اور سلامتی اس میں ہے کہ ان کو دنیا زیادہ نہ ملے اگر ہم کو زیادہ مال دیا جاتا تو رات دن دنیا ہی کی فکر میں رہتے، آخرت سے بالکل غافل ہوجاتے۔

کانپور میں دو شخص شب قدر میں ایک بڑا سا ڈھیلا رومال سے ڈھک کر بیٹھے اور رات بھر دعا کرتے رہے کہ اے اللہ اس کو سونا بنادے وعظ میں کسی مولوی سے سن گئے تھے کہ شب قدر میں دعا قبول ہوتی ہے، وہ ظالم یہ دعا کرنے بیٹھے صبح کو خوشی خوشی جو رومال کھولا تو وہ ڈھیلا کا ڈھیلا ہی تھا۔ بڑے حیران ہوئے کہ شب قدر میں دعا کیوں نہ قبول ہوئی ایک درزی نے کہا کہ اللہ میاں حکیم ہیں، وہی دعا قبول فرماتے ہیں جو بندے کے لئے مصلحت ہو، خدا کا شکر کرو کہ یہ سونا نہ بنا ورنہ تم آپس میں ہی مر کٹ جاتے۔ واقعی سچ کہا۔ بعض لوگوں کیلئے یہی حکمت ہے کہ ان کو سامان عیش زیادہ نہ دیا جائے۔

اس پر شاید ان کو یہ شبہ ہو کہ ہماری نیت تو یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم کو سامان زیادہ دیں تو خوب نیک کام کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خوب خرچ کریں۔ تو وہ یاد رکھیں کہ

اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ تم کو کیا خبر ہے کہ اس وقت جو ارادے اور نیتیں ہیں زیادہ مال ملنے کے بعد باقی رہیں گے یا نہیں۔ اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر خوش نیت کون ہوگا۔ مگر حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہاری کیا حالت ہوگی۔ جبکہ میرے بعد ممالک و بلاد مفتوح ہوں گے۔ اور تمہارے پاس کثرت سے مال و متاع اور غلام خادم ہوں گے۔ صحابہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! اس وقت ہم اللہ کی عبادت کے واسطے فارغ ہو جائیں گے۔ نتفرغ للعبادة وكفى المؤنة حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، تمہاری یہی حالت اچھی ہے جو آجکل ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے زیادہ مال کو پسند نہیں کیا حالانکہ ان حضرات نے واقعی زیادہ سامان ہونے پر عبادات میں پہلے سے زیادہ ترقی کی۔ اور دنیا میں منہمک نہیں ہوئے پھر ہمارے لئے کثرت مال کیونکر مفید ہو سکتی ہے۔

بس مسلمانوں کو دوسری قوموں کی حالت دیکھ کر رال نہ ٹپکانا چاہیے۔ اولئك عجلت لهم طغيانهم في حياتهم الدنيا۔ ان کو سب راحت نہیں دی گئی اور مسلمانوں کے واسطے راحت جنت میں ہے پس مسلمان کو اتنی دنیا حاصل کرنی چاہئے کہ پیٹ بھر کے روٹی مل جائے اور ستر عورت کے لئے کپڑا اور رہنے کو مختصر مکان۔ اور اتنا بحمد اللہ اکثر مسلمانوں کو آجکل حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو صحابہؓ کو اتنا بھی سامان میسر نہ تھا ہم لوگ تو اس زمانے کے اعتبار سے آجکل بادشاہ ہیں کیونکہ حدیث میں ہے من اصبح معافى في جسده آمنا في سربه وعنده قوت يومه فكانما حيزت له الدنيا بحذافيرها۔ کہ جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ بدن میں صحت ہو اور نفس میں بےفکری ہو، ایک دن کا کھانا پاس ہو اس کو تمام دنیا مل گئی۔ جب صحت اور اطمینان کے ساتھ ایک دن کا کھانا گھر میں موجود ہو تو یوں سمجھو کہ تمام دنیا گھر میں آگئی اگلے دن کی فکر نہ کرو۔ ع۔

"مترس از بلائے کہ شب درمیانست"

جس مصیبت کے درمیان رات حائل ہو اس سے اندیشہ نہ کرو، جب کل ہوگی دیکھا جاویگا کیا خبر کل کو تم بھی ہوگے یا نہیں۔ ایک بزرگ اسی کو فرماتے ہیں ؎

چوں ترا نانے و خرقانے بود ہر بن موئے تو سلطانے بود۔

غرض حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ بعض لوگوں کو غریب رکھتے ہیں اس کو کیا خبر کہ امیر ہونے کے بعد وہ کیسا ہوتا۔ ایسے شخص کو ثواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نیت صالحہ عطا فرما دیتے ہیں۔ اس کیلئے یہ نیت ہی درجات عالیہ حاصل کرنے کے لئے کافی ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو یوں خرچ کرتا۔ حق تعالیٰ کے یہاں عجیب دربار ہے وہاں کچھ انفاق ہی پر دار و مدار نہیں۔ غریب کے حق میں نیت انفاق بھی بمنزلہ انفاق کے ہے خود نص میں ارشاد ہے قول معروف ومغفرة خير من صدقة يتبعها اذى والله غني حميد پس جس کے پاس مال نہ ہو وہ حال اور قال سے ثواب حاصل کرے ؎

لا خيل عندك تهديها ولا مال
فليسعد النطق ان لم يسعد الحال۔

اور جس کو خدا نے مال دیا ہو وہ اپنی وسعت و ہمت کے موافق خرچ کر کے خدا کو راضی کرے

(مطاہر الاموال ص۱۸)

۲۳ - جدید تعلیم یافتہ کا غلط استدلال

صحابہ ایسے جاں نثار تھے انہوں نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ترک تابیر کی طرف دیکھا اسی وقت سب نے تابیر چھوڑ دیا جس کا یہ اثر ہوا کہ اس سے پھل کم آیا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہ کوئی ٹوٹکا نہیں بلکہ اس فعل میں طبعی خاصیت ہے اور یہ طبی تدبیر ہے اس لئے آئندہ کے لیے آپ نے اجازت دیدی اور فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم کہ اپنے دنیاوی کاموں کو تم ہی زیادہ جانتے ہو اس سے نو تعلیم یافتہ نے یہ مضمون نکالا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دنیاوی امور میں بالکل دخل نہیں دیا۔ بلکہ ان کو ہماری رائے پر چھوڑ دیا ہے کہ جو طریقہ مناسب سمجھیں اختیار کریں یہ مولویوں کی زیادتی ہے کہ دنیاوی معاملات میں بھی دخل دیتے ہیں کہ فلاں تجارت حرام ہے فلاں جائز ہے اور اس طرح بیع کرنا جائز نہیں۔ اس طرح اجارہ کرنا فاسد ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں کہتا ہوں کہ اگر انتم اعلم بامور دنیاکم کا یہ مطلب ہے تو کیا قرآن کی ان آیتوں کو جن میں ربا، سود اور اکل اموال بالباطل اور رشوت وغیرہ کو حرام کیا گیا ہے، قرآن سے نکال دوگے؟ اور ہزارہا حدیثیں بھی جن میں بیوع و اجارات و نکاح و طلاق و ہبہ و میراث کے احکام مذکور ہیں۔ حدیث کی کتابوں سے نکال

باہر کر دو گے ؟ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو یہ دعویٰ کیونکر صحیح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی معاملات میں دخل نہیں دیا۔ معلوم ہوا کہ تم نے اس حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔ بلکہ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ امور دنیا جو تجربہ کے متعلق ہیں، ان کو تم زیادہ جانتے ہو باقی ان امور کے . . . . متعلق جو احکام ہیں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔ مگر چونکہ واقعہ تابیر سے کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ نبی کیسے ہیں جن کو حقائق اشیاء کا صحیح علم حاصل نہیں ہوا اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا انتم اعلم بامور دنیاکم جس کا حاصل یہ ہے کہ تجربیات کا جاننا نبی کے لئے ضروری نہیں بلکہ ضروری حقائق کا علم ضروری ہے۔ (البسر بالصبر ص۶)

۲۴- ہر اتفاق نہ محمود ہے اور نہ ہر اختلاف مذموم ہے

خوب سمجھ لو کہ اتفاق صرف اسی وقت مطلوب و محمود ہے جبکہ دین کو مفید ہو، اور نا اتفاقی جب ہی مذموم ہے کہ دین کو مضر ہو اور اگر اتفاق دین کو مضر اور نا اتفاقی دین کو مفید ہو تو اسوقت وہ نا اتفاقی مطلوب ہوگی۔ اہل دنیا تک اپنے معاملات میں اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی مقدمہ میں مدعی اور مدعیٰ علیہ عدالت سے مرافعہ کرتے ہیں تو اس وقت دونوں سے کبھی نہیں کہا جاتا کہ تم دونوں اپنے اپنے دعوے سے دست بردار ہو جاؤ کیونکہ اس دعوے سے تمہارے اندر نا اتفاقی پیدا ہو گئی ہے اور نا اتفاقی مذموم ہے۔ بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص خلاف حق پر ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ تم حق کی طرف رجوع کرو اور ناحق پر اصرار کو چھوڑ دو۔ بلکہ بعض معاملات میں اگر کبھی صاحب حق دعوے سے دست بردار بھی ہو جاوے تو گورنمنٹ مدعی ہو جاتی ہے اور وہ حق کی حمایت کرتی ہے۔ صاحبو! اگر نا اتفاقی مطلقاً مذموم ہے تو چاہیئے کہ کوئی عدالت میں دائر ہو تو جج مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو سزا دیا کرے کیونکہ نا اتفاقی کے مجرم دونوں ہیں۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوتا اور عقلا کبھی ایسی رائے دے سکتے ہیں۔ مگر یہاں سب یہ کہتے ہیں کہ گو نا اتفاقی دونوں طرف سے ہے مگر ایک طرف سے حمایت حق کے لئے ہے اور دوسری طرف سے حمایت باطل کے لئے۔ پس تفتیش و تحقیق کے بعد جو شخص حق پر ہو اس کی ڈگری ہونا چاہیئے اور عدالت کو اس کا ساتھ دینا چاہیئے۔ یہاں تو سب کا اتفاق ہے کہ نا اتفاقی مطلقاً مذموم نہیں مگر افسوس دین کے معاملے میں اس قاعدہ سے کام نہیں لیا جاتا۔ بلکہ یہاں دونوں سے کہتے ہیں کہ نا اتفاقی چھوڑ دو۔ اور اتفاق پیدا کر دو۔

حق کا ساتھ دینا چاہیئے

صاحبو! آخر یہاں پر کیوں نہیں دیکھا جاتا کہ ان دونوں میں سے کس کی نا اتفاقی حمایت حق کے لئے ہے۔ اور کس کی حمایت باطل کے لئے پھر جو حق پر ہو اس کا ساتھ دیا جاوے اور جو باطل پر ہو صرف اسی کو دبایا جاوے اور آپ جو دونوں کو اتفاق کا امر کرتے ہیں۔ تو بتلائیے صاحب حق صاحب باطل کے ساتھ کیونکر اتفاق کرے۔ دونوں طرف سے اگر اتفاق ہوگا تو عقلاً اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ صاحب حق کو چھوڑ دے اور دونوں باطل پر ہو جائیں۔ یعنی دین دار کو چھوڑ کر بد دین ہو جائے ایک یہ کہ دین دار تو دین پر قائم رہے اور بد دینی چھوڑ دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کچھ تو دیندار دین کو چھوڑ دے۔ اور کچھ بد دین بد دینی کو چھوڑ دے اس طرح دونوں طرف سے اتفاق ہو سکتا ہے اب عقلاء خود فیصلہ کر لیں کہ ان میں سے کون سی صورت عقل کے مطابق ہے۔ یقیناً صرف دوسری ہی صورت کو عقل کے مطابق کہا جاوے گا کہ دیندار تو دین پر قائم رہے اور بد دین بد دینی کو چھوڑ دے۔ اور اس کا حاصل یہی ہے کہ دیندار کو تو بد دین سے نا اتفاقی کا حق ہے مگر بد دین دیندار سے نا اتفاقی کا حق نہیں بلکہ اس کو دیندار کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیئے۔

افتراق کی مثال

صاحبو! یہ وہ افتراق ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پیدا کیا ہے۔ کیونکہ آپ کی نبوت سے پہلے سب لوگ کفر پر متفق تھے آپ نے اگر اس نا اتفاقی کو توڑ دیا۔ اور باپ بیٹوں کو باہم جدا جدا کر دیا اور یہ وہ افتراق ہے جس کو حق تعالیٰ بشارت کے طور پر بیان فرماتے ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ ط اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرقان کو مایۂ بشارت بتلایا ہے جس کو تقویٰ پر مرتب فرمایا ہے اور اسلئے قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں بلکہ کہیں جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے۔ جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل کا حکم ہے اور جو باطل پر ہوں ان کیساتھ فصل کا حکم ہے۔

پس یہ سخت غلطی ہے جس میں لوگ آجکل مبتلا ہیں کہ جہاں دو جماعتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں دونوں کو مورد ملامت بناتے ہیں کہ تم کیسے مسلمان ہو کہ آپس میں اختلاف کرتے ہو، اور دونوں کو باہم اتفاق پر مجبور کرتے ہو جس کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہے کہ دیندار کو دین چھوڑ کر بد دین ہونا چاہیئے۔ اور صاحب حق حق کو چھوڑ کر باطل طریقہ اختیار کرے

اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے بلکہ مقتضائے عقل یہ ہے کہ جب دو جماعتوں یا شخصوں میں اختلاف ہو تو اول یہ معلوم کیا جاوے کہ حق پر کون ہے، اور ناحق پر کون؟ حق متعین ہو جاوے تو صاحبِ حق سے کچھ نہ کہا جاوے بلکہ اس کا ساتھ دیا جائے اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے۔ قرآن میں اس پر ایک جگہ نص ہے۔ فَقَاتِلُوا الَّتِی تَبْغِی حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ۔ اور اگر آپ کو تحقیق حق کی فرصت یا لیاقت نہیں تو آپ سے دخل دینے کو کس نے کہا ہے اپنے گھر بیٹھئے اور تحقیق سے پہلے کسی کو برا نہ کہئے۔ (الانسداد للفساد صفحہ ۳۰)

۲۵۔ حقیقت شریعت اعتدال کا نام ہے۔

اعتدال اوروں کے لئے تو فرضی ہے مگر شریعت کے لئے حقیقی ہے کہ اس کی ہر بات افراط و تفریط کے درمیان وسط ہے۔ اور وسط بھی بحرکت سین، یعنی وسط حقیقی کیونکہ ایک تو ہے وسط بسکون السین، یعنی وسط مطلق اور ایک وسط ہے بفتح السین، یہ ہے وسط حقیقی، اسی واسطے مشہور ہے کہ الوسط متحرک یعنی متعین نہیں کہ ادھر ادھر ہو سکتا ہے۔ الوسط ساکن یعنی متعین ہے۔ میں نے اس سے بھی زیادہ لطیف کر دیا کہ الساکن متحرک والمتحرک ساکن" اور وسط بسکون السین پر چلنا آسان ہے اور جب اسے بدل دو یعنی سین کا فتحہ کر دو تو پھر مشکل ہوتا ہے کیونکہ وسط حقیقی ایک غیر منقسم شی ہے کیونکہ اگر اس کی تقسیم ہو گی تو پھر اس میں بھی طرفین اور وسط نکلے گا حالانکہ اس کو وسط حقیقی فرض کیا تھا۔ ہذا خلف، اور ظاہر ہے کہ غیر منقسم پر چلنا جیسا دشوار ہے۔ چنانچہ اگر کوئی کہے کہ سڑک پر اس طرح چلو کہ وہ جو بیچوں بیچ کا سیدھا خط ہے۔ اس سے ادھر ادھر نہ ہو تو بہت مشکل ہے۔ ہاں اگر کسی نے وسط حقیقی میں ایک ڈورا کھینچ دیا تو اب اس کی سیدھ پر چلنا آسان ہے اور شریعت کی حقیقت ہے وسط حقیقی چنانچہ شریعت نے ہر چیز میں ایک وسط نکالا۔ جبن و تہور میں شجاعت، خمود و فجور میں عفت وسط نکالا۔ اسی طرح جزیرہ و بلاہت میں حکمت وسط نکالا ہے۔ یعنی جزیرہ تو یہ ہے جیسا کہ کسی طالب علم نے تیلی سے پوچھا کہ بیل کے گلے میں گھنٹی کیوں باندھی۔ اس نے کہا جب تک گھنٹی کی آواز آتی رہے یہ معلوم رہے کہ چل رہا ہے اس نے کہا کہ کھڑا ہو کر خالی گردن ہلایا کرے اور جیسے کسی طالب علم نے اپنے باپ سے کہا کہ میں دو انڈوں کے سو انڈے بنا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا اچھا بناؤ، آپ نے کہا، ایک یہ ایک یہ، اور ان کا ایک مجموعہ، یہ تین ہوئے

پھر تین وہ اور ایک ان تینوں کا مجموعہ ہوا۔ وھلم جراً الی مالا یتناہی، باپ نے ان کی معقول کو ماکول کر دیا کہ ان دونوں میں سے ایک تو خود کھالیا۔ ایک دوسرا بیٹے کو دیدیا اور ان سے کہا وہ اٹھانوے آپ نوش فرمائیں وہ انڈے کیسے تھے کہ ان سے سو انڈے ہو گئے کہ اب انہیں نظر نہ آئے۔ جیسے کسی استاذ نے ایک بھینگے شاگرد سے کہا کہ ذرا فلانی بوتل تو اٹھالاؤ اس نے کہا وہاں تو دو ہیں، کون سی اٹھالاؤں۔ بھینگے کو ایک کے دو نظر آیا کرتے ہیں۔ استاد نے کہا نہیں ایک ہی ہے۔ اس نے کہا دو ہیں۔ استاد نے کہا اچھا دوسری بوتل توڑ ڈالو۔ اس نے ایک توڑی وہ دونوں ٹوٹ گئیں، اسی طرح ان کو بہت سے انڈے نظر آتے تھے کہ دو غائب ہوئے تو سب ہی غائب ہو گئے۔ یہ جزیرہ کہلاتا ہے۔ یہ عقل کا ہیضہ ہے ایک اکل کا ہیضہ ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں ایک بہت ہے کہ کچھ خبر ہی نہ ہو۔ بہت سے بزرگ ایسے ہوتے ہیں مگر یہ کمال نہیں۔ چنانچہ کوئی نبی بھولا نہیں ہوا۔ نہایت دانشمند اور بیدار مغز ہوئے ہیں۔

میرے ایک دوست نہایت بھولے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تمہاری بیوی عورت ہے یا مرد۔ کہنے لگے بظاہر عورت معلوم ہوتی ہے میں نے کہا کہ کیسے معلوم ہوا کہ عورت ہے کہ وہ نتھ پہنے ہوئی تھی۔ اگر وہ نتھ نہ پہنے ہوئے ہوتی تو شاید اسے مرد سمجھتے، یا ان کو کوئی نتھ پہنا دیتا تو یہ بھی اپنے کو عورت سمجھنے لگتے۔ تو بعضے ایسے بھولے ہوتے ہیں مگر کمال یہ ہے کہ نہ جزیرہ ہو نہ بلاہت ہو۔ دونوں میں وسط ہو جس کا نام حکمت ہے۔ خیر الامور اوساطھا اسی طرح باقی امور کو لے لو۔ غرض شریعت نام ہے اعتدال حقیقی کا اور اس کا مقتضیٰ جیسا کہ مذکور ہوا یہ تھا کہ اس پر چلنا نہایت دشوار ہو۔ مگر خدا نے آسان کرنے کے لئے اس وسط پر ایک ڈوری ڈالدی ہے جس کو وہ ڈوری نظر آرہی ہے اس کو چلنا نہایت آسان ہے اور وہ ڈوری کیا ہے۔ علم صحیح۔ صحبت صالحہ یہ وہ چیز ہے کہ اس سے وسط حقیقی نظر آجاتا ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ۔

بحر تلخ بحر شیریں ہمعنان
درمیان شاخ برزخ لایبغیان

تو شریعت بھی افراط و تفریط کے برزخ کا نام ہے میں علم صحیح کی ایک مثال دیتا ہوں۔ ایک صفت ہے غضب للنفس اور ایک ہے غضب للہ ان دونوں میں خلط ہے یہاں پر امتیاز کی ضرورت ہے مثلاً ہم نے ایک مسئلہ لکھا اسے کسی نے رد کر دیا ہمیں غصہ آیا اور فی نفسہ ہم نے وہ مسئلہ صحیح لکھا ہے اس غصہ میں خلط ہے کہ آیا للہ ہے کہ اس نے حق کو رد کیا یا للنفس

ہے کہ اس نے ہم پر رد کیا۔ سو ائمہ طریقت بڑے حاذق طبیب تھے وہ اس کا فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عزیز غور کرکے دیکھ، اگر اسی امر میں تیرے کسی معاصر مولوی پر بھی رد کیا جاتا اور خاص کر وہ معاصر جس کی ذلت سے تمہارا نفس خوش ہوا گر ایسے شخص پر بھی یہی رد ہوتا تو آیا اس وقت بھی تم کو ایسا ہی غصہ آتا یا نہ آتا۔ اگر سوچنے پر معلوم ہو کہ آتا تب تو یہ غضب للّٰہ ہے اور اگر غصہ کم آیا تو آمیزش ہے اور اگر بالکل نہ آیا تو اس وقت کا غصہ محض للنفس ہے، نفس کی شرارت اور بدمعاشی ہے اسی طرح دوسرے اخلاق رذیلہ اور اخلاق حمیدہ میں امتیاز کے واسطے علم صحیح کی ضرورت ہے اور چونکہ شریعت نام ہے وسط حقیقی کا اسی لئے یہی صراط مستقیم بھی ہے کیونکہ خط مستقیم کیلئے اقصر خطوط واصلہ بین النقطتین اور اوسط خطوط واصلہ ہونا ضروری ہے۔ یعنی دو نقطوں کے درمیان میں بھی ہوگا اور یہی صراط مستقیم شریعت ہے جو قیامت میں بشکل صراط قائم ہوگا پس وہ شریعت کی صورت مثالیہ ہے اور یہی معنیٰ ہیں اسکے بال سے باریک ہونے کے کیونکہ بال تو پھر متجزی ہے۔ اور شریعت وسط حقیقی ہونے کی وجہ سے غیر متجزی ہے۔ کیونکہ شریعت اتنا وسط ہے کہ اس میں پھر وسط نہیں، اسی واسطے قیامت میں بال سے باریک نظر آوے گی۔ باقی تلوار سے تیز ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ شریعت نام ہے وسط حقیقی کا۔ اور وسط حقیقی پر چلنا اس سے بھی زیادہ دشوار ہے جیسا کہ تلوار کی دھار پر چلنا۔ اس لئے وہ صراط دھار سے زیادہ تیز نظر آوے گا۔

البتہ جن کو یہاں وہ ڈوری امتیاز کی عطا ہونے سے چلنا آسان ہوگیا تھا چونکہ صراط وہی چیز ہوگی جس پر چلنے کے خوگر تھے اس لئے وہاں بھی اسی درجہ میں اس صراط پر چلنا آسان ہوگا یعنی اگر یہاں برق کی طرح ہے تو وہاں بھی ہے اگر یہاں چلنے میں اٹکا تھا تو وہاں بھی اٹکے گا اور جہنم میں گرے گا۔ (روح الجوار صـ۲۲)

۲۶۔ شریعت سے ناگواری کی وجہ۔

شریعت سے ناگواری کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کی خوبیاں دیکھنے کے لئے آنکھ نہیں ہے اگر آنکھ ہو تو معلوم ہو جائے کہ شریعت میں کہیں حق تعالیٰ نے اپنی غرض پوری نہیں کی ہے

من نہ کردم خلق تا سودے کنم　　　بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم۔

آپ کے مصالحہ کی ایسی رعایت کی ہے کہ شاید آپ خود بھی نہ کر سکتے۔ مثلاً شریعت

نے یہ بتایا کہ پھل آنے سے پہلے باغ کی فصل بیچنا حرام ہے گو یہ فیصلہ مالک باغ کو ناگوار ہے کہ پھل آنے سے پہلے تو باغ پانچ سو کا بکتا تھا اور اب پھل آئے اور کم آئے تو اڑھائی سو کا بیچنا پڑا۔ لیکن خریدنے والے سے پوچھو کہ وہ شریعت سے کتنا خوش ہے کہ پانچ سو جس باغ کے دیتا تھا ڈھائی سو میں مل گیا۔ اسی طرح ایک شخص نے ایک بیٹی اور ایک دور کا عصبہ چھوڑا آدھی میراث بیٹی کو ملی اور آدھی عصبہ کو۔ اس میں بیٹی کو ناگوار ہوا کہ میں خاص بیٹی اور میرے باپ کا مال یہ دور کا رشتہ دار اسے خواہ مخواہ دیدیا مگر اس عصبہ سے پوچھو تو وہ کہے گا۔ سبحان اللہ! شریعت میں حقوق کی کیا رعایت ہے۔ دور دور کی قرابت کو بھی اس قدر مانا ہے۔ تو اب ایک ہی حکم ہے مگر دو آدمیوں میں سے اپنے اپنے اغراض کی وجہ سے ایک کو ناگوار ہے۔ اور ایک دوسرے کو گوارا۔ اب ہم کس کے فیصلہ کو ان دونوں میں سے مانیں گے ؎

ترك اللات والعزیٰ جمیعا　　　كذلك یفعل الرجل البصیر

یعنی لات اور عزیٰ دونوں کو چھوڑ دیا ہم دونوں میں سے کسی کا فیصلہ نہیں مانیں گے کیونکہ یہ دونوں خود غرض ہیں ہم تو وحی کا فیصلہ مانیں گے کیونکہ وہاں شائبہ بھی غرض کا نہیں ہے اسی لئے وہی قابل اعتبار ہے وحی کا فیصلہ یہ ہے کہ شریعت کا قانون نام ہے جو مصالح عامہ کی رعایت کرتا ہے۔ جیسے سرکاری قانون۔ مثلاً سڑک پر پیشاب کرنا حرام ہے۔ اب ایک شخص کو زور کا پیشاب لگا۔ وہ کہاں تو یہ حکم ہے کہ پیشاب مت کرو اور یہاں موت نکلا جا رہا ہے تو وہ شخص کیا کہے گا کہ بڑی سختی کا قانون ہے کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ پیشاب کی تو اجازت ہوتی مگر اس کی بدبو سے بچنے کے لئے کوئی ایسی دوا ڈال دی جاتی کہ دماغ بے حس ہو جاتے، اسلئے کسی کو بدبو نہ معلوم ہوتی بھلا کون اسے پسند کریگا۔ اس گدھے کو موتنے کے واسطے سب کو بے حس بنادے اسی طرح شریعت نے بھی مصالح عامہ کی رعایت سے قانون بنایا ہے تم اس میں مصالح خاصہ اور وہ نفسانیہ ڈھونڈتے ہو اور شریعت کا اچھا معلوم ہونا مصالح عامہ کی رعایت سے۔

قانون میں حکمت

یہ تو حکماء و عقلاء کی نظر میں ہے اور ایک نظر ہے عشق و محبت والے کی۔ اس کو اس وجہ سے معلوم ہوتی ہے کہ یہ دوست کا قانون ہے یہ حکما کی نظر سے بڑھ کر ہے۔ جیسے کوئی طوائف اپنے کسی خاص عاشق سے یہ کہدے کہ تم لنگوٹی باندھ کے رام نرائن کے بازار میں پھرو یہ اس سے نہیں پوچھے گا کہ اس میں تمہارا کیا فائدہ بلکہ فوراً ادھر ادھر دوڑنے لگے گا۔ اگر کوئی کہے بھی گدھے یہ کیا ہے تو وہ کہے گا۔ ؎

قال الجدار للوتد لم تشقنی　　قال الوتد انظر الی ما یدقنی

ایک شخص دیوار میں کیل ٹھونک رہا تھا تو دیوار نے کیل سے شکایت کہ میں نے کیا کیا جو میرے جگر کو شگافتہ کر رہی ہے۔ کیل نے جواب دیا کہ اس سے پوچھو جو مجھے ٹھونک رہا ہے تو حکماء وعقلاء احکام کے لم کے درپے ہونگے اور جو عاشق ہوگا وہ یہ کہے گا کہ حکمت اس سے پوچھو جس نے یہ قانون مقرر کیا ہے مجھ کو کچھ بحث نہیں۔ بس مولوی صاحب کو یہی جواب اختیار کر لینا چاہیئے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ استاد ازل گفت بگو می گویم۔

غرض یہی علماء کو بھی مناسب ہے میں ان کو وصیت کرتا ہوں کہ اگر حکم واسرار معلوم بھی ہوں تو پوچھنے پر ہرگز مت بتاؤ۔ چاہے یہی گمان کریں کہ انہیں نہیں آیا۔ اور پوچھنے والے بھی خوب سمجھ لیں کہ جاننے والے بھی بہت ہیں مگر تمہارے غلام نہیں ہیں کہ تمہیں سب بتا دیا کریں جیسے طبیب کہ جانتا سب ہے کہ تین ماشہ گل بنفشہ کیوں لکھا ہے اور چھ ماشہ گل گاؤں زبان کیوں لکھا ہے مگر کوئی مریض پوچھنے لگے تو وہ نہیں بتائے گا اگر وہ کہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں طب نہیں آتی ہاں صاحب نہیں آتی۔ تمہیں پسند ہو پیو ورنہ مت پیو۔ عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

؎ مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز۔
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست۔

یعنی کوئی خبر ایسی نہیں ہے کہ ہمیں معلوم نہ ہو مگر ہم تمہارے کہنے سے نہیں بتاتے اور حقیقت میں مصلحت اور حکمت پوچھنے کی ضرورت ہی کیا؟ محبوب سمجھ کر اس کے حکم کی علت دریافت کرنا عشق کے بالکل ہی اختلاف ہے۔ اگر کوئی کہے کہ جاؤ ہم عاشق ہی نہیں پھر وظائف عشق بھی واجب نہیں، تو صاحب تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے عشق تو لوازم ایمان سے ہے۔ جب تم نے آمنا کہا، تو عشقنا کا التزام بھی کر لیا۔ جیسے کوئی شخص کہے مجھ پر نان ونفقہ بی بی کا کیسے واجب ہوگیا۔ میں نے تو اس کا التزام نہیں کیا تھا۔ صرف قَبِلْتُ النِّکَاحَ کہا جب ہی شوہری کے حقوق ملتزم ہوگئے۔ پس اسی طرح جب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا پس عاشق ہوگئے۔ کیونکہ اس کلمہ سے مومن ہوگئے۔ مومن کے بارے میں ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ جو لوگ خدا پر ایمان لائے وہ خدا کیساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ تو تصدیق ایمانی کے ساتھ ہی سارے کے سارے

عاشق ہوگئے۔ اب آپ عشق سے انکار کریں تو کیا ہوتا ہے جب عاشق ہونا ثابت ہوگیا تو عشق کے حقوق ادا کرو۔ پس کان مت ہلاؤ اور سیدھے محبوب کے حکم پر چلتے رہو اگر کوئی اس انقیاد کا قصد کرے تو اول اول تو تکلف ہوتا ہے پھر اس کی عادت ہوجاتی ہے تو اس کے ترک میں تکلف ہوتا ہے تو جس طرح دوا عادت پڑنے سے غذا ہوجاتی ہے اگر کوئی کہے کہ دوا کیونکر غذا ہوجاتی ہے تو میرے پاس اسکی لاجواب مثال موجود ہے۔ دیکھئے۔ حضرت تمباکو سلمہ اللہ تعالیٰ کہ کوئی اس سے مشکل سے بچا ہوگا۔ کہیں اکلاً کہیں شرباً اس کا استعمال ہوا کرتا ہے۔ شروع کرتے وقت کیسی متلی ہوتی ہے کیسی ابکائیاں آتی ہیں۔ چکر آتا ہے مگر جب عادت پڑجاتی ہے تو پھر یہ غذا سے زیادہ مرغوب ہوجاتا ہے۔ روزے میں سب کو تو پانی اور شربت کی فکر ہوتی ہے مگر انہیں نہ پھلکیوں کی پرواہ نہ شربت کی پرواہ نہ افطاری سے مطلب۔ ارے بھئی حقہ دیدو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک پان دیدو۔ ایسی مکروہ چیز کیسی محبوب ہوئی۔ اے اللہ تمباکو کی تو اتنی محبت اور شریعت کی اتنی بھی نہیں۔ ارے بھائی تمباکو ہی سمجھ لیا ہوتا۔ تمباکو تو کیا ہوتا۔ آخر کسی طرح بھدّے لوگوں کو۔ ۔ ۔ سمجھاؤں بھی۔ اگر خمیرہ گاؤزبان نہیں سمجھتے تو خمیرہ تمباکو ہی سمجھو،

بہرحال اب یہ سمجھنا آسان ہوگیا کہ عادت ڈال لو تو دوا بھی غذا ہوجاتی ہے۔

ایک مثال

بعض بزرگوں کو کسی تکلیف کے وقت ناک منہ چڑھاتے دیکھ کر اگر یہ شبہ ہو کہ عادت پڑجانے کے بعد ان پر اثر کیوں ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کے دل پر اثر نہیں ہے صرف جسم پر ضعف کی وجہ سے اثر ہے اور دل میں نہایت خوش ہیں۔ اس کی مثال بھی میرے پاس موجود ہے اور وہ نظیر حضرت تمباکو کے دوست مرچ ہیں کہ ناک بہہ رہی ہے آنسو جاری ہیں۔ سی سی کر رہے ہیں۔ مگر کھائے چلے جاتے ہیں کیوں صاحب اگر تکلیف ہے تو کیوں کھاتے ہو؟ بات یہ ہے کہ تکلیف منہ کو ہے مگر زبان اور حلق کو مزہ آتا ہے۔ اسلئے منہ کی تکلیف گوارہ ہے۔ تو اب سمجھ میں آگیا کہ لذت والم دونوں ایک ہی وقت میں جمع ہوسکتے ہیں۔

اسی طرح امتثال امر محبوب میں گو بدن کو تکلیف ہو۔ مگر دل اور روح شاداں ہیں۔ اور اس عادت کا یہ اثر ہے کہ اگر ایک نماز بھی قضا ہوجائے گو بدن کو آرام ملا کہ پڑے سوتے رہے مگر قلب کو جو تکلیف ہے اس کے آگے یہ آرام کچھ بھی نہیں۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود　　گر ز باغ دل خلالے کم بود۔

یعنی اگر باغ دل سے ایک تنکا بھی کم ہوجائے اس وقت دیکھو ان کے غم کو۔ پھر اس میں بھی دو درجے ہیں۔ زاہد کو تو غم ہوتا ہے مطلقاً عمل فوت ہوجانے کا۔ اور عارف کو غم ہوتا ہے باختیار خود فوت ہوجانے کا۔ اور بلا اختیار فوت ہونے کا کچھ غم نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوست نے اس میں یوں ہی تصرف کیا۔ مگر یہ بات عام لوگوں کے سنانے کی نہیں کیونکہ اگر یہ قصداً بھی سو گئے اور نماز قضا کردی۔ تو حیلہ نکال لیں گے کہ محبوب کی یوں ہی مرضی تھی تو یہ مرضی مرض والوں کے لئے نہیں۔ کیونکہ وہ خود مَرَضی۔ بفتح الرا ہیں۔ یعنی مرض والے۔ بہرحال تکلیف طبعی سے جسم کو پریشانی ہوتی ہے مگر روح کو نہیں ہوتی بلکہ ان اعمال سے ایسی مناسبت ہوجاتی ہے کہ وہ غذائے روح بن جاتے ہیں کہ اگر وہ نہ ملیں تو پریشانی ہوتی ہے صرف شروع کسی قدر تکلیف ہوتی ہے جیسے مشاہدہ سے پہلے مجاہدہ کی ضرورت ہے یا غذا سے پہلے دوا کی حاجت ہوتی ہے پھر تو دوا بھی غذا ہوجاتی ہے۔

توحضرت ایسی چیز ہے شریعت جس سے ڈرتے ہیں لوگ حالانکہ اس میں ہمارے کل مصالح دینیہ و دنیویہ کی بے حد رعایت کی ہے اور ساری مصلحتوں سے بڑھ کر تو چین ہے جو بدون اتباع احکام شریعت نصیب ہی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ چین تو بقول تمہارے تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر ہم ہر وقت خدا کو یاد کریں اور اتباعِ شریعت نہ کریں تو تعلق باللہ تو حاصل ہوگیا پس چین سے رہیں گے تو خوب سمجھ لو کہ مطلق تعلق سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا، ایسے تعلق میں چین کا گمان بے حِسی ہے فی الواقع اس میں بے چینی مضمر ہے جو مرنے کے بعد کھل جائے گی۔

غیر ملکی کی ایک حکایت

جیسے ایک سرحدی گنوار ہندوستان میں آیا ایک حلوائی کی دوکان پر جاکر حلوا لیا۔ اس نے دام مانگے یہ وہاں سے بھاگا وہ حلوائی بھی پیچھے بھاگا جب وہ اتنا بھاگا کہ قریب تھا کہ پکڑ لے۔ آپ نے وہ حلوا جھٹ منہ میں رکھلیا کہ جاؤ اب نہ ہمارا نہ تمہارا۔ وہ پکڑ کر پولیس لے گیا۔ تھانیدار تو رحم دل تھے انہوں نے بجائے چالان کے یہ سزا دی کہ گدھے پر سوار کرکے اور اعلان کے لئے ڈھول کے ساتھ شہر سے باہر نکال دینے کی سزا دی تو لونڈوں نے اسے گدھے پر سوار دیکھا تو وہ بھی تماشہ کے طور پر ساتھ ہولئے یہ ہندوستان کی سیر سے فارغ ہوکر اپنے ملک میں پہونچے، وہاں لوگوں نے پوچھا کہ "آغا[1] ہندوستان رفتہ بودی چہ طور ملک است"، ہندوستان کیسا ملک ہے؟

[1] جناب ہندوستان گئے تھے کیسا ملک ہے؟

آپ نے کہا "خوب ملک است"، بڑا اچھا ملک ہے، پوچھا گیا "بچہ طور"، تو آپ فرماتے ہیں "در ہندوستانی حلوا خوردن مفت است"، حلوا مفت کھانے میں آتا ہے۔ "سواری خر مفت است"، گدھے کی سواری مفت ملتی ہے "ڈم ڈم مفت است"، باجا مفت ملتا ہے "فوج طفلان مفت ست"، لڑکوں کی فوج مفت ملتی ہے "ہندوستان خوب ملک است"۔ تو جیسے ان حضرات کو یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ حشم وخدم عزت کا سامان تھا یا یہ نہایت ذلت کی سزا تھی اسی طرح ان کو نہیں معلوم کہ یہ چین ہے یا بے چینی لیکن کہاں تک؎

فسوف[1] تریٰ اذا انکشف الغبار　　　افرس تحت رجلک ام حمار

جب حقیقت منکشف ہوگی اس وقت معلوم ہوگا کہ چین تھا یا بے چین، جیسے اس آغا کو جب ان سب باتوں کی حقیقت معلوم ہوئی ہوگی تو کس قدر شرمندہ ہوا ہوگا۔ اسی طرح انہیں بھی مرتے وقت معلوم ہوجائے گا کہ وہ لذت تھی یا بے لذتی۔

شریعت کا اتباع

غرض جو تعلق و نسبت مطلوب اور سرمایۂ راحت ہے تو وہ جانبین سے ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ وہ نسبت ہی نہیں جو ایک طرف سے ہو۔ جیسے کسی شہر میں ایک پردیسی طالب علم تھے۔ ان کے دیس کے کوئی آدمی ان سے ملنے گئے۔ انہوں نے پوچھا، میاں طالب علم کس رنگ میں ہو۔ کہنے لگے شہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں، پوچھا کیا سامان ہوا۔ کہنے لگے وہاں آدھا کام تو ہوگیا۔ آدھا باقی ہے۔ پوچھا کس طرح؟ کہنے لگے میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں۔ خوب آدھا ہوگیا۔ تو یہ تو اؤپن ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگ بزعم خود صاحب نسبت ہیں۔ جو بلکہ یاد داشت بہم پہونچا کر اپنے کو مقبول سمجھتے ہیں مگر اتباع شرع نہ ہونے کے سبب ان کے زعم کا حاصل یہ ہے کہ ہم تو راضی ہیں مگر اللہ میاں راضی نہیں، خوب سمجھ لو کہ ان کے راضی ہونے کا معیار صرف اتباع احکام ہے اگر اس حال میں موت آگئی تو سب کھل جائے گا کہ یہ تعلق ان کو پسند نہ ہونے کے سبب تمہاری نظر میں کس قدر ہوگا۔ بقول سعدی علیہ الرحمۃ؎

چوں در چشم شاہد نیاید زرت　　　زر و خاک یکساں نماید برت

آپ نے ہزار روپیہ محبوب کو بھیجے کہ وہ خوش ہو، مگر معلوم ہوا کہ وہ خوش نہیں ہوا اور اس نے نہیں لئے اور انہیں واپس کردیئے کسی نے کہا کہ گھر میں بھیجد و تو یہی کہو گے کہ پھینکو

[1] عنقریب غبار چھٹنے کے بعد معلوم ہوگا کہ ترے پاؤں کے نیچے گھوڑا تھا یا گدھا۔

بھی کیا کر دں گا ایسے منحوس ردپے کو اسی طرح جب معلوم ہوگا کہ حق اس تعلق سے راضی نہیں ہوئے تو اس تعلق کو کیا سمجھو گے۔ تعلق وہی ہے جو کہ دونوں جانب سے ہو اور یہ تعلق بدون اتباع شریعت کے نہیں ہو سکتا تو دیکھئے! شریعت کتنی بڑی چیز ہوئی۔ حق تعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں ثم جعلنٰك علیٰ شریعۃ من الامر فاتبعھا۔ ثم لانے کی وجہ یہ ہے کہ اوپر فرماتے ہیں ولقد اٰتینا بنی اسرائیل الکتب والحکم والنبوۃ "تا" فیما کانوا فیہ یختلفون ط فرماتے ہیں۔ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت دی تھی اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں کھانے کو دی تھیں، اور ہم نے ان کو دنیا والوں پر فوقیت دی تھی اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دیں۔ سو انہوں نے علم ہی کے آنے کے بعد باہم اختلاف کیا بوجہ آپس کی ضدا ضدی کے آپ کا رب ان کے آپس میں قیامت کے روز ان امور میں فیصلہ کر دیگا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں "ثم جعلناك الخ" آپ سے پہلے بنی اسرائیل کو کتاب وغیرہ عنایت کی تھی۔ اس کے بعد ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا۔ "من الامر" میں من بیانیہ ہے کہ وہ شریعت یا طریقہ خاص کیا ہے وہ امر دین ہے پس اس کا اتباع کیجئے لقب کتنا لطیف ہے۔ شریعت یعنی جس عنوان سے علماء اتباع دین کا امر کرتے ہیں وہی عنوان آیت میں وارد ہو گیا جس سے صریحاً مدعا علماء کا ثابت ہو گیا۔

اتباع شریعت

اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا اتباع شریعت کا تو اور کسی کا کیا منہ ہے جو اپنے کو اس سے آزاد سمجھے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط اور ان جاہلوں کی خواہش کا اتباع نہ کیجئے ــــ سبحان اللہ کیا پاکیزہ طرز بیان ہے یہ نہیں فرمایا۔ وَلَا تتبع غَيْرَهَا کہ غیر شریعت کا اتباع نہ کیجئے۔ بلکہ یوں فرمایا کہ جہلاء کی خواہش کا اتباع نہ کیجئے۔ اس میں بتا دیا کہ جو شریعت کے مقابلہ میں ہوں وہ خواہشیں ہیں اور ہوائے نفسانی ہیں۔ اس لئے وہ عمل کے قابل نہیں ہیں "اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ قید احترازی ہے یعنی اَلَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ کی اہوا کا اتباع جائز ہے۔ بلکہ یہ قید واقعی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ واقع میں علماء ہی نہیں ہیں جو شریعت کے مقابلہ میں اپنی خواہشیں پیش کرتے ہیں بلکہ وہ تو جہلاء ہیں جیسے یوں کہتے ہیں کہ مفسدوں کے بہکانے میں آجانا نہیں بلکہ مطلب یہی ہے کہ بہکانے والے سب کے سب مفسد ہوتے ہیں ان سے بچتے رہنا۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھ لو اور "الذین لایعلمون" کا مفعول

جو یہاں ذکر نہیں فرمایا۔ سبحان اللہ! اس میں عجیب رعایت ہے، اگر مفعول ذکر فرماتے تو وہ امر الدین ہوتا تو ایک گونہ مصادرہ ہو جاتا کیونکہ امر دین ہی میں تو کلام ہو رہا ہے تو اس صورت میں یہ حاصل ہوتا کہ غیر دین اسلئے مذموم ہے کہ وہ دین نہ جاننے والوں کا فعل ہے اس لئے یہاں مطلق علم کی نفی کر دی کہ اہواء اس لئے مذموم ہے کہ وہ ایسوں کا فعل ہے جو بالکل ہی جاہل ہیں یہ دعویٰ کہ جو شخص شریعت کا متبع نہ ہو وہ بالکل جاہل ہے، اتنا بڑا ہے کہ سارا عالم اس میں مقابل ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا یقین ہے کہ یہ ساری دنیا کو جاہل بنانا اتنی پکی بات ہے کہ اس میں ذرا احتمال خلاف کا نہیں، ورنہ آپؐ کو جھجک ضرور ہوتی کہ کوئی مطالبہ نہ کر بیٹھے۔ اور اس وقت گو ظاہر میں آپ نہیں تشریف رکھتے مگر آپ کا علم وفیض تو ہے، جیسے آفتاب پر ابر آجاوے تو آفتاب نظر سے پوشیدہ ہے مگر اسکی روشنی تو ہے، بلکہ چوندھوں کے لئے تو یہ ابر بھی رحمت ہے کہ براہ راست اس کا تحمل نہ کر سکتے اسی طرح بعضے لوگ ایسے ہیں کہ اگر حضورؐ کے زمانہ میں ہوتے تو یقیناً یہ حضورؐ کے اتباع سے عار کرتے۔ اور اس سے حد کفر میں پڑ جاتے تو اچھا ہوا کہ ابر آگیا ورنہ ان چوندھوں کی بڑی مشکل ہوتی۔

آفتاب کی مثال

بہر حال اب وہ آفتاب کی روشنی ابر سے بھی چھن رہی ہے۔ اس موقع پر میں مولانا کا یہ شعر پڑھتے پڑھتے رک گیا۔

وہ شعر یہ ہے ؎

؎ چونکہ شد خورشید وما را کرد داغ
چارہ نبود در مقامش از چراغ

یعنی آفتاب رخصت ہو گیا اور میں اسے اس لئے پسند نہیں کہ آفتاب رخصت نہیں ہوا۔ وہ تو اب بھی درخشاں ہے صرف ابر کے نیچے چھپ گیا ہے بلکہ یہ شعر اس موقع پر مناسب ہے ؎

؎ ہنوز آں ابر رحمت درخشاں است
خم خمخانہ با مہر و نشاں است

اور مولانا نے وہ شعر کسی دوسرے موقع پر فرمایا ہے۔ غرض حضور کے غلام حضور سے فیض لینے والے اب بھی موجود ہیں جواب بھی اس دعویٰ کو ثابت کرنے کو تیار ہے کہ جو متبع شریعت نہ ہو وہ جاہل ہے اور میں خود تو دعویٰ نہیں کرتا۔ مگر دین کے محاسن پر نظر کر کے

کہہ سکتا ہوں کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عاقل ہو۔ مگر عالم نہ ہو اور نہ کسی عالم محقق کی صحبت میں رہا ہو۔ اس کو کسی محقق کی صحبت میں رہا ہو مہینے کے لئے بھیجدو۔ خدا کی قسم اس چھ مہینے میں وہ محقق یہ ثابت کردیگا کہ اس عاقل کی زبان سے اقرار کرائے گا کہ میں احمق ہوں۔ اور اس وقت قسم سے زیادہ اور کسی ذریعہ سے یقین نہیں دلا سکتا۔ اگر اس سے زیادہ دلیل کو جی چاہے تو تجربہ کرلو کہ چھ مہینہ کی رخصت لو۔ پھر محقق کا پتہ ہم سے پوچھو۔ اس وقت دیکھ لوگے کہ یہ شخص آئے گا تو اپنے کو عاقل کہتا ہوا مگر جائے گا یہ کہتا ہوا کہ میں احمق ہوں۔ نہیں بلکہ پہلے احمق تھا کیونکہ اب تو اس محقق کی برکت سے عقل آجاوے گی تب معلوم ہوگا کہ "اہواء الذین لایعلمون"، کا مدلول کیسا یقینی ہے کہ جو چیز شریعت کے مقابلہ میں ہے وہ جہل ہے، میں حالانکہ کچھ بھی نہیں مگر جونپور کے ایک شاعر صاحب میرے یہاں آئے، جو عرفی تہذیب سے آراستہ تھے میں تو ادنیٰ سے ادنیٰ، ادنیٰ سے ادنیٰ ہوں، اس طرح دس بیس دفعہ ادنیٰ کی اضافت ادنیٰ کی طرف کی جائے بہر حال میں کچھ بھی نہیں ہوں مگر چند روز رہنے کے بعد وہ واپس گئے تو وہاں جاکر انہوں نے ایک رسالہ لکھا۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ عمر بھر جسے ہم تہذیب سمجھا کئے وہاں جاکر یہ معلوم ہوا کہ وہ تہذیب ہی نہیں تھی۔ خیر وہ تو مر گئے ایک اور دہلی کے طبیب آئے چند روز یہاں رہنے سے وہ بھی یہ کہنے لگے کہ جن کو ہم لوگ اب تک کمالات سمجھتے تھے سارے نقائص نکلے اور جنہیں ہنر سمجھتے تھے وہ سب عیوب تھے۔ تو اس وقت اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ اگر شبہ ہو تو تجربہ کر لیجئے۔ اس لئے فرمایا۔ "اہواء الذین لایعلمون"، جاہلوں کا اتباع نہ کیجئے۔

اتباع شریعت کا فائدہ

یہاں اتباع شریعت کے متعلق ایک نکتہ ہے جسے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ انسان کی سلامتی مقید رہنے میں ہے اور اطلاق مضر ہے۔ کیونکہ اطمینان اور چین بدون تقلید کے نہیں ہوتا مثلاً ہم نے یہ ارادہ کرلیا کہ جب بیمار ہوں گے ہم فلانے طبیب کا علاج کریں گے تو اطمینان ہے کہ طبیب موجود ہے بیماری کا خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ بیماری کے وقت سوچنا پڑے گا کہ کس کا علاج کریں۔ اور اگر تقلید نہیں ہے مثلاً ہم کسی خاص طبیب کے پابند نہیں۔ اگر آج ذرا سا تغیر پیش آیا ایک طبیب سے رجوع کیا۔ دوسرا تغیر پیش آیا دوسرے سے رجوع کرلیا تیسرا پیش آیا تیسرے سے رجوع کرلیا تو اس میں دل کو چین نہیں ہوگا اور ہر وقت یہ فکر رہے گی کہ اب کے تغیر میں کس طبیب سے رجوع کریں گے۔ غرض تقلید سے اطمینان حاصل ہوتا ہے چاہے وہ طبیب دانشمند بھی نہ ہو۔ مگر تمہارے نفس کو تو اطمینان ہوجائے گا۔ اور اگر وہ تقلید حقائق کے موافق ہو تو سبحان اللہ! کیا کہنا ہے۔ اگر شریعت علم وحکمت کے

موافق ہونے کا بھی دعویٰ نہ ہوتا۔ جیسا کہ مدلول ہے ولاتتبع اھواء الذین لایعلمون کا، تب بھی اتباع شریعت کا امر حکیمانہ ہوتا اور اب تو جبکہ شریعت کا علم وحکمت کے موافق ہونا ثابت کردیا گیا تو اس اتباع کا ضروری ومصلحت وموجب اطمینان ہونا اور بھی ثابت ہوگیا، آگے وعید ہے انھم لن یغنوا عنك من اللہ شیئًا یہ لوگ خدا کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے۔ یعنی گو یہ آج مددگار بننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر خدا کے یہاں ذرا کام نہیں آسکتے۔ اس پر اہل حق کو تردد ہوسکتا تھا کہ اتباع کرکے ہم تو اکیلے رہ گئے۔ اس لئے فرماتے ہیں وان الظٰلمین بعضھم اولیاء بعض واللہ ولی المتقین اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا۔ اس سے تردد رفع ہوگیا کہ اہل اہوا اگر ہم سے الگ ہوگئے تو کچھ پروا نہیں کیونکہ خدا تو ہمارے ساتھ ہے۔ آگے مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور شریعت میں جو صفتیں ہیں انہیں بتاتے ہیں۔ ھٰذا بصائر للناس وھدی ورحمۃ لقوم یوقنون۔ قرآن یا شریعت لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین لانے والوں کے لئے بڑی رحمت ہے۔ "ھٰذا بصائر" بصائر جمع بصیرت کی ہے۔ بصیرت کہتے ہیں باطنی روشنی کو۔ جیسے بصر کہتے ہیں نگاہ یعنی ظاہری روشنی کو تو شریعت بصائر ہے، یعنی باطن کو روشن کرنیوالی ہے "وھدی"، اور سراپا ہدایت ہے کہ اس سے راستہ نظر آتا ہے اور مقصود تک پہونچادیتی ہے "ورحمۃ" اور رحمت ہے جو کہ مقصود ہے۔ گویا شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔

راستہ طے کرنیوالوں کی ضرورت

یہاں پر ایک نکتہ ہے جو چند سال پہلے ذہن میں آیا تھا مگر اسے بھول گیا تھا اس وقت پھر یاد آگیا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ رہرو کو انہیں تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ جب آدمی مقصود تک جانا چاہتا ہے تو اسکے لئے ایک مقصود ہوتا ہے اور ایک طریق ہوتا ہے جس کے ذریعہ مقصود تک پہونچ سکتے ہیں اور ایک بصر یعنی نگاہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے راستہ نظر آوے۔ حق تعالیٰ کے قربان جایئے کہ شریعت بتلاتے ہیں کہ ایسا قانون ہے جو تینوں کو جمع کئے ہوئے ہے۔ لہٰذا بصائر یہ آنکھیں بھی ہیں۔ وہدیً اور راستہ بھی اسی کے ذریعہ سے طے ہوتا ہے۔ ورحمۃ، اور رحمت بھی ہے یعنی مقصود بھی اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! بصیرت، طریق، مقصود، تینوں اسی ایک شریعت میں ہیں۔ اب رہا یہ کہ بصائر کو جمع کیوں لائے اور ہدیٰ و رحمۃ کو مفرد کیوں لائے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ راستہ چلنے والے تو بہت ہوتے ہیں اور سب کی آنکھیں الگ

الگ ہوتی ہیں، اس لئے اس کو جمع لائے۔ اور راستہ ایک ہی ہوتا ہے اور مقصود بھی سب کا ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں مفرد لائے۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ یہ رحمت تو ہے مگر ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ "لقوم یوقنون" ۔ یعنی یقین کرنے والوں کے لئے۔ یقین کے دو درجے ہیں ایک تقلیدی اور ایک تحقیقی تقلیدی تو یہ ہے کہ احکام کو بلا دلیل مان لو، پھر ان احکام کی برکت سے تحقیقی یقین ہو جاوے گا۔ جیسے شروع میں الف، بے کہ محض استاد کی تقلید سے مان لیتے ہو۔ اس کے بعد اسی تقلید کی بدولت بڑے علوم کے محقق بن جاتے ہو۔ اگر شروع ہی میں یہ پوچھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ الف ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ جاہل رہو گے۔ اس لئے پہلے کسی محقق کی تقلید کرو۔ پہلے ہی محقق بننے کی کوشش مت کرو ؎

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی ۔۔۔ تا راہ بیں نہ باشی کے راہبر شوی

اور طریقہ محقق بننے کا یہی ہے کہ پہلے تقلید کرو ؎

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ۔۔۔ ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

(الشریعت صفحہ ۳۰ تا ۴۲)

۲۴ - عذاب قبر پر اعتراض کا جواب

احادیث میں جو عذاب و ثواب قبر کا ذکر ہے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ ہم نے انسان کے مر جانے کے بعد اس کے جسم عنصری کا مہینوں

مثالی ہے عذاب و ثواب اسی کو ہوتا ہے لہٰذا جسد عنصری پر عذاب و ثواب محسوس نہ ہونے سے اس کی مطلقاً نفی نہیں ہو سکتی۔ پھر بعض دفعہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ظاہر کرنے کے لئے اس جسم عنصری پر بھی عذاب و ثواب کو ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ بعض لوگوں نے کسی مردے کی قبر میں آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ بعض لوگوں کو کسی قبر سے نہایت پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی، لہٰذا اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں، خوب سمجھ لو۔

(ترجیح الآخرۃ صفحہ ۳۶)

۲۸ - اسلام درحقیقت اللہ کا راستہ ہے۔

بعض جگہ حضورؐ کی طرف اس صراط کو اس لئے مضاف کر دیا گیا تاکہ سامعین کو اس پر عمل کرنے کی ہمت ہو اور وہ سمجھ لیں کہ ہم اس راستہ کو طے کر سکتے ہیں۔ اگر پہلے ہی یہ فرما دیا جاتا کہ یہ خدا کا راستہ ہے اس پر چلو تو لوگ یہ سن کر گھبرا جاتے کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات تک ذہن کی رسائی اولاً دشوار ہے۔ ان کی تو شان یہ ہے ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ۔۔۔ وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

خدا تعالیٰ کی ذات تک وہم بھی نہیں پہونچ سکتا جو کچھ اس کے متعلق ہمارے ذہن میں آتا ہے خدا تعالیٰ اس سے بھی وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

در تصور ذات او را گنج کو ۔۔۔ تا در آید در تصور مثل او۔

یہ لفظ سارے نسخوں میں کنج ہے۔ مثنوی کو جس کنج (اور جس گوشہ) سے نکالو گے سب میں یہی نکلے گا۔ کسی کے پاس اسکی کنجی نہ تھی صرف حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے پاس اسکی کنجی تھی۔ حضرت ہی نے اس کا قفل کھولا۔ حضرت نے مکہ میں ایک دفعہ ایک شخص کو کنج پڑھاتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے معنیٰ بتانے میں وہ بہت تاویلیں کر رہے تھے مگر کوئی بات بنتی نہ تھی حضرت نے اصلاح دی کہ یہ لفظ گنج ہے۔ بمعنیٰ گنجائش۔ بس اس کو سن کر وہ شیخ پھڑک ہی تو گئے، اب شعر کے معنیٰ بے تکلف ظاہر ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کی کسی کے تصور میں گنجائش نہیں یعنی تصور بالکنہ کی گنجائش نہیں۔ حق تعالیٰ کا بالکنہ ذہن میں آنا محال ہے، جس کی تفصیل کتب معقول میں مذکور ہے حق تعالیٰ کی ذات تک رسائی نہیں تو اگر ابتداءً ہی اسلام کو صراط اللہ کہہ دیا جاتا۔ یعنی حق کی طرف اس کی نسبت کی جاتی تو لوگ گھبرا جاتے اور سوچ میں پڑ جاتے کہ حق تعالیٰ تو ذہن سے بہت دور ہیں۔ پس اسی طرح ان کا راستہ بھی نہ معلوم کتنا دور و دراز ہوگا۔ اس لئے پہلے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف کیا گیا کہ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ یہ تو میرا راستہ ہے اس پر چلو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک سب کی رسائی ممکن ہے۔ آپ عیاناً سب کے سامنے ہیں پھر بشریت میں سب کے شریک ہیں اس لئے سن کر ہمت بندھی کہ یہ تو رسول اللہ کا راستہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذہن سے دور نہیں ہیں تو آپ کا راستہ بھی دور نہ ہوگا بلکہ نزدیک ہوگا

یہ فائدہ ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے سے کہ راستہ کا سہل و نزدیک ہونا معلوم ہوگا پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی ہوگئی اور اس راستہ پر چلنا شروع کیا۔ اور حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ تو حقیقت میں خدا کا راستہ ہے اور حضور صرف داعی ہیں آپ خود بھی اسی راستہ پر چل رہے ہیں یہ دیکھ کر ڈھارس بندھ گئی کہ حق تعالیٰ اس کے طے کرنے میں بندوں کی امداد فرماتے ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راستہ کو طے کرلیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کا طے کرنا انسان کی قدرت سے خارج نہیں تو ہم بھی اس کو طے کرسکتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو واقف طریق ہیں ہمارے معین و رفیق ہیں۔

حق تعالیٰ کی امداد

واقعی اگر حق تعالیٰ کی امداد نہ ہو تو پھر اس راہ کا طے کرنا بہت دشوار ہے کیونکہ خدائی راستہ ہے جس کو وہی طے کرسکتا ہے جس کو حق تعالیٰ طے کرانا چاہیں۔ اس لئے سالک کی جب اس پر نظر ہوتی ہے کہ یہ راستہ خدا تعالیٰ کا راستہ ہے اس وقت وہ بڑا پریشان ہوتا ہے وہ اسکے طول و لاتناہی کے خیال سے گھبراتا ہے اور یوں کہتا ہے ؎

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

اور جب اس پر نظر کرتا ہے کہ یہ راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ جس پر آپ چل رہے ہیں تو اسکی ہمت بندھتی ہے اور یوں کہتا ہے ؎

تو دست گیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من
پیادہ می روم و ہمرہاں سوار انند!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و رفاقت اس راستہ میں چلنے کا ارادہ کرلیتا ہے یہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جن کی رسائی حضور تک ہوچکی ہے اور جو حضور تک بھی وصول نہ رکھتے ہوں انہیں اسکی ضرورت ہے کہ ان مشائخ کا دامن پکڑیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی کرچکے ہیں۔ جیسے بادشاہ تک پہونچنے کے لئے وزیر کا واسطہ ضروری ہے۔ مگر جو وزیر تک نہ پہونچا ہو اس کو چاہیئے کہ ان لوگوں کی خوشامد کرے جو وزیر تک رسائی رکھتے ہیں۔

(الاسعاد والابعاد صہ ۴۹)

۲۹ ۔ بعض عاصی کی مغفرت بدون عذاب کے بھی ہوگی ۔

بعض گنہ گار بدون عذاب کے ہی بخش دیئے جائیں گے معتزلہ کے سوا کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔ ان کے نزدیک گنہ گار کو عذاب ہونا لازم ہے۔ تماشا ہے نہ معلوم ان لوگوں کی عقلیں کہاں گئیں۔ وہ خدا کے ذمہ عقاب و ثواب کو واجب کہتے ہیں۔ گویا خدا کو نعوذ باللہ قانون کا تابع کرتے ہیں حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ قانون بنانے والا قانون کا تابع نہیں ہوتا بلکہ قانون خود اس کے تابع ہوا کرتا۔ اگر ان کے نزدیک عذاب و ثواب کا وجوب عقلی ہے اس سے واجب کا مضطر ہونا لازم آتا ہے۔ اور اضطرار امارات حدوث سے ہے۔ اور واجب اضطرار سے منزہ ہوتا ہے۔ اور اگر یہ وجوب شرعی ہے تو اس کے لئے وجوب شرعی کی ضرورت ہے۔ اگر وہ دلیل میں آیات وعید پیش کریں تو ہم آیات عفو و مغفرت و شفاعت کو پیش کریں گے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ بہت سے گناہوں کو بدون عذاب کے بھی معاف کردیئے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ ہاں جن آیات میں افعال کبیرہ کا عقاب مذکور ہے وہاں استحقاق مراد ہے لزوم و وقوع مراد نہیں۔ یعنی کبائر سے وہ شخص عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے۔ وقوع عذاب لازم نہیں، ممکن ہے حق تعالیٰ ویسے ہی بخش دیں۔ باقی وقوع کے متعلق آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ الخ سے صاف معلوم ہوگیا کہ سب گناہوں پر عذاب لازم نہیں بجز شرک و کفر کے ان پر عذاب لازم ہے یعنی شرعاً۔

غرض گناہ کبیرہ تو بدون عقاب کے معاف ہوسکتا ہے۔ مگر کفر و شرک کا ارتکاب بدون عذاب کے نہیں رہ سکتا۔ اس پر عذاب لازم ہے اور وہ بھی ابد الآباد کے لئے جس کا انقطاع کبھی نہ ہوگا۔ یہ جرم کسی طرح معاف نہ ہوگا۔ نہ عذاب سے۔ نہ بغیر عذاب کے۔

(محاسن الاسلام صہ ۹)